ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقات اسلامی

علی گڑھ

قرآن مجید - ایک معجزہ

سید جلال الدین عمری

امام سرخسیؒ کا فقہی اسلوب

ڈاکٹر محمد سلیمان اسدی

برصغیر ہند میں بچوں کا سیرتی ادب

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام میں فرد کی آزادی کی قانونی حیثیت

مولانا سید اسرار الحق سبیلی

زوجین کے درمیان منافرت میں قاضی اور حکم کے اختیارات

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

علامہ اقبال کا تصورِ ملت

ڈاکٹر علی محمد بٹ

تعارف وتبصرہ

ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

دو نئی مطبوعات

۱- توحید اور قیام عدل — مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے۔ ان میں عقیدۂ توحید کی وضاحت، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار و خیال پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ صفحات: ۹۲، قیمت: -/۵۰ روپے

۲- اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

زمانہ نزول قرآن میں یہودیت اور عیسائیت دو بڑے مذاہب تھے۔ قرآن نے ان کے ماننے والوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور ان کی تحریفات اور انحرافات کی نشان دہی کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام ہی اللہ کا اصل دین ہے، جسے لے کر ہر پیغمبر آیا تھا اور جس کے ساتھ اب آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے ہیں۔

اس کتاب میں ان بنیادی نکات کو نمایاں کیا گیا ہے جنھیں راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کو دیگر اہل مذاہب سے گفتگو کرتے ہوئے اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس مطالعہ میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے اور قدیم و جدید کتب تفسیر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ صفحات: ۸۴، قیمت: -/۲۵ روپے

-: ملنے کے پتے :-

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، تپی نگر، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جنوری – مارچ ۲۰۱۳ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

Nabi Nagar (Jamalpur) P.O.Box: 93,ALIGARH-202002 (INDIA)

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۲ شمارہ: ۱

صفرالمظفر ۱۴۳۴ھ ——— ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

جنوری ——— مارچ ۲۰۱۳ء

تحقیقاتِ اسلامی کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر ملاحظہ کریں

ادارتی امور

موبائل : 09582050234

ای میل : tahqeeqat@gmail.com

mrnadvi@yahoo.com

انتظامی امور

فون : 0571-2902034

موبائل: 09897655171

ای میل: tahqeeqateislami@gmail.com

tahqeeqat_islami@yahoo.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۳۰ روپے
سالانہ	۱۲۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۵۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۱۵۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰ ڈالرامریکی
سالانہ (ادارے)	۲۵ ڈالرامریکی

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵ ڈالرامریکی
سالانہ (ادارے)	۳۰ ڈالرامریکی

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپواکر

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

قرآن مجید-ایک معجزہ	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق وتنقید

امام سرخسیؒ کا فقہی اسلوب (المبسوط کا تجزیاتی مطالعہ)	ڈاکٹر محمد سلیمان اسدی	۱۳
برصغیر ہند میں بچوں کا سیرتی ادب	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳۵

بحث ونظر

اسلام میں فرد کی آزادی کی قانونی حیثیت	مولانا سید اسرار الحق سبیلی	٦۷
زوجین کے درمیان منافرت میں قاضی اور حَکَم کے اختیارات	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۷۷
علامہ اقبال کا تصورِ ملّت	ڈاکٹر علی محمد بٹ	۹۳

تعارف وتبصرہ

کتب سابقہ میں سید المرسلینؐ سے متعلق بشارتیں	ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی	۱۰۵
کتاب الٰہی کے پانچ مطالبات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۱
برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات ومطبوعات-ایک مطالعہ	،، ،،	۱۱۳
دین میں ترجیحات	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱۱۵
اسلامی عمرانیات	،، ،،	۱۱۷

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۴٦) ۱۱۹

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر محمد سلیمان اسدی

لیکچرر علوم اسلامیہ، گفٹ یونی ورسٹی، گوجرانوالہ (پاکستان)

sulamanasdy@yahoo.com

۲۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

۳۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی

لیکچرر گورنمنٹ جونیر کالج، ظہیر آباد، میڈک (آندھرا پردیش)

۴۔ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

استاد حدیث، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (اترپردیش)

۵۔ ڈاکٹر علی محمد بٹ

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، اسلامک یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، آونتی پورہ (سری نگر)، جموں وکشمیر alimohd1265@gmail.com

۶۔ ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی

B-104، بدر منزل، پٹیل نگر، بھیونڈی (مہاراشٹرا)

۷۔ مولانا محمد جرجیس کریمی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

Jarjees.karimi@yaho.com

۸۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

قرآن مجید - ایک معجزہ

سید جلال الدین عمری

معجزہ کیا ہے؟

اس کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ قوانین کے تحت چل رہا ہے۔ ان قوانین کو قوانینِ فطرت بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعض رسولوں کے ذریعے ان قوانین سے ہٹ کر واقعات رونما ہوئے ہیں۔ ان ہی کو معجزات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا غیر معمولی مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہ کسی انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ معجزہ اسی واقعہ کو کہا جاتا ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں:

سمّیت معجزۃ لان البشر یعجزون عن مثلها[۱]	معجزہ کو اس لیے معجزہ کہا جاتا ہے کہ انسان اس جیسی چیز پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے معجزہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کی پانچ شرائط بیان کی ہیں۔ یہاں ان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کیا جارہا ہے:

اس دنیا میں معمول کے جو واقعات رونما ہوتے ہیں، چاہے وہ کتنے ہی بڑے ہوں، معجزہ نہیں کہلاتے۔ یہاں شب و روز کا یکے بعد دیگرے آنا، سورج کا مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب ہونا جیسے عظیم واقعات اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی سے ظاہر ہوتے ہیں، لیکن ان کو معجزہ نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ یہ عام واقعات ہیں۔

معجزہ خارقِ عادت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ سانپ بن گیا۔ اپنا ہاتھ بغل میں رکھ کر نکالا تو اس سے روشنی پھوٹنے لگی۔ یہ معجزہ ہے۔

---

۱ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۱، جزء ۱، ص ۵۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کر دکھایا، انہوں نے ہاتھ لگایا تو کوڑھیوں کا کوڑھ ختم ہوگیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے اشارے سے پہاڑ کی چٹان سے اونٹنی نکل آئی۔ یہ معجزات ہیں۔

معجزہ رسالت کی دلیل ہوتا ہے۔ ایک شخص جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور ثبوت کے طور پر اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا غیر معمولی اظہار ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہے کہ یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہے اور اس کا دعویٔ رسالت صحیح ہے۔

اللہ کا رسول یہ تحدّی یا چیلنج کرے کہ اگر تم مجھے اللہ کا رسول نہیں مانتے ہو تو جو معجزہ میں نے دکھایا ہے اس طرح کا معجزہ تم پیش کر و تو کوئی اس کا جواب نہ دے سکے۔ قرآن اسی طرح کا معجزہ ہے کہ اس کا جواب کسی بھی فرد بشر سے ممکن نہیں ہے۔[۱]

علامہ مجد الدین فیروز آبادی کہتے ہیں:

معجزۃ النبی ﷺ ما اعجز به الخصم عند التحدّی[۲]	نبی ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ حریف کو آپ نے چیلنج کیا تو وہ عاجز ہوگیا (جواب نہ دے سکا)

قرآن کا اعجاز

قرآن مجید کے وجوہ اعجاز سے اہل علم نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان میں اس کی فصاحت و بلاغت، نظم و ترتیب، محسوسات کی دنیا سے آگے عالمِ غیب کی معلومات، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان، مبدأ و معاد اور دنیا و آخرت کا ذکر، رسولوں کی صحیح تاریخ، ان کی قوموں کا آغاز و انجام، اس کی پیشین گوئیاں، مستقبل کی قطعی خبریں اور اس کے علوم و معارف، جیسے متعدد پہلو شامل ہیں۔ کسی نے ایک پہلو کو کسی نے دوسرے پہلو کو اعجاز کی بنیاد قرار دیا ہے۔[۳]

آیاتِ تحدّی

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز ان تمام پہلوؤں سے ہے۔ اسے جس رخ سے

۱؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، قرطبی، حوالہ سابق، ص ۵۰-۵۲

۲؎ فیروز آبادی، القاموس المحیط، مادہ عجز، ص ۵۴۰

۳؎ ملاحظہ ہو، سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۳۲۹-۳۳۱

دیکھئے وہ ایک معجزہ ہے، جو محمد ﷺ کی زبان مبارک سے ظاہر ہوا۔ یہاں اس کے صرف دعویٰ اعجاز سے بحث کی جارہی ہے:

قرآن کے منکرین اسے آپؐ کی ذہنی اختراع قرار دیتے تھے۔کبھی مذاق اڑاتے:

سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ (النساء:۹۳) — میں بھی اسی طرح کا کلام پیش کروں گا، جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے۔

کبھی کہتے کہ ہمیں قدیم داستانیں سنائی جارہی ہیں۔ ایسی داستانیں ہم بھی پیش کرسکتے ہیں:

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَا اِنۡ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ○ (الانفال:۳۱) — جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: سن لیا ہم نے۔ اگر ہم چاہیں تو اس جیسی چیز ہم بھی پیش کردیں۔ یہ تو سب پچھلوں کی فرضی داستانیں ہیں۔

یہ ساری باتیں ضد، ہٹ دھرمی اور مکابرت کی تھیں۔ اس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ اس کے معجزہ ہونے میں کسی کو شک ہے تو اس جیسی کتاب پیش کردے۔ اس سے خود بخود ثابت ہوجائے گا کہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے، خدائی کلام نہیں ہے۔قرآن نے بار بار کہا کہ ایسا کلام کوئی بھی فرد بشر پیش نہیں کرسکتا اور آج تک کوئی شخص اس کے اس چیلنج کا جواب نہ دے کرسکا۔

قرآن مجید میں جس ترتیب سے اس چیلنج کا ذکر آیا ہے، پہلے اسی ترتیب سے یہاں اس کا حوالہ دیا جارہا ہے۔

قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ ہے، جو اس کی سب سے بڑی سورت ہے اس میں چھوٹی بڑی دوسو چھیاسی (۲۸۶) آیتیں ہیں۔ اس کی بائیس (۲۲) آیات ہی کے بعد ارشاد ہے:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا — ان سے کہو کہ اگر تم (اس کتاب کے بارے میں) شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو تم اس جیسی ایک سورت پیش

شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ:۲۳،۲۴)

کرد و اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے مدد کرنے والوں کو بھی بلالو۔ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو (کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے) اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اور جو انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

یہی تحدّی یا چیلنج سورۂ یونس میں ہے، جو قرآن مجید کی دسویں سورت ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (یونس:۳۸)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس (کتاب) کو گھڑ لیا ہے۔ کہو کہ تم اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جن کو بھی (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلالو، اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ (یہ قرآن محمدؐ کی من گھڑت ہے)۔

اس کے بعد سورۂ ہود میں، جو قرآن مجید کی گیارہویں سورت ہے، یہ چیلنج ان الفاظ میں ملتا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (ھود:۱۳،۱۴)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے گھڑ لیا ہے۔ ان سے کہو کہ تم اس طرح کی دس سورتیں اپنی طرف سے بنا کر لے آؤ، اور اللہ کے سوا جن کو بھی (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلالو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو (کہ یہ من گھڑت ہے) اگر وہ تمہارا مطالبہ پورا نہ کرسکیں تو انہیں بتا دو کہ یہ اللہ کے علم (وحی) سے نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو؟

سورۂ بنی اسرائیل قرآن مجید کی سترہویں (۱۷) سورہ ہے۔اس میں پورے زور اور قوت کے ساتھ یہی تحدی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۝ (بنی اسرائیل:۸۸)

ان سے کہہ دو کہ اگر سارے انسان اور جن جمع ہوجائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ (اس میں) ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔

یہ تحدی سورۂ طور میں بھی ہے، جو قرآن مجید کی باون ویں (۵۲) سورت ہے۔ مشرکین مکہ کے متعلق کہا گیا:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ۝ (الطّور:۳۳،۳۴)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے بلکہ یہ (جان بوجھ کر) اس پر ایمان نہیں لا رہے ہیں۔تو پھر وہ اس طرح کا کلام لے آئیں،اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔

تحدّی پر غور وفکر کے چند پہلو

ان آیاتِ تحدّی پر غور وفکر سے چند پہلو سامنے آتے ہیں:

۱- یہ تحدی پانچ سورتوں میں آئی ہے۔ان میں سے چار مکی سورتیں ہیں اور ایک مدنی سورت ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید شروع سے آخر تک چیلنج بن کر رہا۔اس طویل عرصے میں ہر طرح کی مخالفت ہوتی رہی، لیکن اس کا جواب نہیں دیا جاسکا۔

۲- ان آیات میں کہا گیا کہ اگر تم اس کتاب کو محمد ﷺ کی ذہنی اختراع سمجھتے ہوتو تم بھی اہل زبان ہو، اس جیسی کتاب پیش کردو، کم از کم اس جیسی دس سورتیں، بلکہ ایک سورت ہی تصنیف کر دکھاؤ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا قرآن ہی نہیں، اس کی ایک سورت بھی دنیا کے لیے چیلنج ہے۔

۳- یہ تحدّی ان لوگوں ہی کے لیے نہیں تھی جو ناخواندہ تھے، بلکہ پڑھے لکھے لوگوں

کے لیے بھی تھی۔ یہ عرب کے لیے بھی تھی، جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور یہود و نصاریٰ کے لیے بھی، جو اپنے پاس صحفِ سماوی رکھتے تھے۔ ان سب سے کہا گیا کہ اس کتاب کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرتے ہو تو اسے اسی وقت تسلیم کیا جائے گا، جب کہ تم اس کا جواب فراہم کر دو۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ قرآن کی تالیف میں کچھ لوگ محمد ﷺ کی مدد کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ خدا کو چھوڑ کر جن دیویوں اور دیوتاؤں کی تم پرستش کرتے ہو ان سے مدد طلب کرو، یا اس کے لیے جن اصحابِ فہم و خرد کو تم جمع کر سکتے ہو اور جو تمہاری مدد کر سکتے ہیں سب کو اکٹھا کر لو۔ تمھیں پورا اختیار ہے کہ تم فرداً فرداً یا سب مل کر اس کا جواب فراہم کر دو۔ اگر اس میں ناکام ہوتے ہو تو سوچ لو کہ تم اللہ کی کتاب کا انکار کر رہے ہو، اس کا بڑا بھیانک انجام تمہارے سامنے آئے گا۔

تحدّی پورے قرآن کی ہے یا اس کے کسی ایک جزو کی

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی آیت میں تحدّی پورے قرآن کی ہے، کسی میں دس سورتوں کی اور کسی میں ایک سورت کی۔ اس کی کیا معنویت ہے؟

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ قرآن نے (پہلے) کہا کہ اگر یہ لوگ اسے محمد ﷺ کی تصنیف کہتے ہیں تو اس جیسی کتاب خود پیش کریں۔ جب اس میں وہ ناکام رہے تو اس نے کہا کہ قرآن کی سورتوں جیسی دس سورتیں پیش کرو۔ جب یہ بھی ان سے نہ ہوسکا تو اس نے کہا: اچھا تو اس جیسی ایک ہی سورت پیش کر دو۔[۱]

یہی نقطۂ نظر امام رازیؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: یہ اسی طرح کا انداز ہے جیسے کوئی چیلنج کرے کہ اس جیسا کلام پیش کرو، اس کا نصف یا ربع ہی پیش کرو، نہیں تو ایک مسئلہ ہی میں اس کا جواب دو۔[۲]

اس کا مطلب یہ ہے کہ آیاتِ تحدّی ایک خاص ترتیب سے نازل ہوئیں۔ لیکن

---

[۱] قرطبی، الجامع لا حکام القرآن، جلد۱، جزء۱، ص۵۵

[۲] رازی، التفسیر الکبیر، جلد۱، جزء۲، ص۱۰۸

مشکل یہ ہے کہ اس کا قرآن، حدیث یا تاریخ سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ان سورتوں کے مضامین اور شان نزول سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علامہ محمد رشید رضا مصریؒ نے بڑی سختی سے اس خیال کی تردید کی ہے کہ آیاتِ تحدّی کسی خاص ترتیب کے ساتھ نازل ہوئیں۔[۱]

قرآن مجید کا یہ چیلنج کہ اس جیسی کتاب پیش کی جائے یا اس کی ایک ہی سورت جیسی دوسری سورت پیش کی جائے، آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ البتہ دس سورتوں کے چیلنج کی معنویت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ علامہ رشید رضا مصریؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تاریخ تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے بعض سورتوں کا بڑا حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں اصول دین کا، جو تمام رسولوں کے درمیان مشترک تھے، رسولوں کے معجزات اور دلائل کا، ان کی دعوتی جدوجہد اور صبر و ثبات کا، مخاطب قوموں کے رویہ اور ان کے انجام کا تفصیل سے ذکر ہے۔ یہ سورتیں دس ہیں: الاعراف، یونس، مریم، طٰہٰ، الشعراء، النمل، القصص، القمر، صٓ اور سورۂ ہود۔ اسی میں دس سورتوں کی تحدی کی گئی ہے۔[۲]

یہ بھی ایک توجیہ ہی کہی جاسکتی ہے، اس سے اس سلسلے کے سوالات حل نہیں ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جب یہ تحدی کی کہ وہ اللہ کا کلام ہے، کوئی انسان اس جیسا کلام پیش نہیں کرسکتا تو بہت سے سوالات ذہنوں میں ابھرتے رہے ہوں گے کہ قرآن نے اپنا عقیدہ وفکر ایک جگہ نہیں، بلکہ متعدد مقامات پر پیش کیا ہے، اس کی تعلیمات اور اس کے دلائل بھی پھیلے ہوئے ہیں، اس نے رسولوں کے انکار اور اس کے نتیجے میں ہلاک ہونے والی قوموں کا ذکر بھی کئی ایک سورتوں میں، کہیں اختصار سے اور کہیں تفصیل سے کیا ہے۔ اس کا جواب کیسے دیا جائے؟ قرآن نے اختیار دیا کہ اس جیسی ایک سورت ہی پیش کردو۔ اس میں سورۃ الاخلاص، سورۃ الکوثر اور سورۃ العصر جیسی بہت ہی چھوٹی سورتیں بھی شامل ہیں، جن میں توحید، رسالت اور انسان کی عاقبت کا چند الفاظ اور چند جملوں میں ذکر ہے اور سورۂ بقرہ، آل عمران

---

۱ رشید رضا، المنار: ۱۲/۳۳

۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر المنار: ۱۲/ ۳۷-۴۶

اور سورۂ نساء جیسی بڑی سورتیں بھی آتی ہیں ۔ جن میں اصولِ دین، احکام شریعت اور منکرین وحی ورسالت کی تاریخ تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔قرآن نے کہا کہ تم ایک سورت میں اس کا جواب نہیں دے سکتے ہو تو دو تین اور دس سورتوں میں جواب دو۔ پورا قرآن اور اس کی ہر سورت ایک معجزہ ہے جو تمھاری طاقت سے باہر ہے۔

☆☆☆

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

ہندوستان کے پس منظر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہئیں ؛ یہ موضوع کافی اہمیت اختیار کر گیا ہے، اس لیے کہ فرقہ پرستوں نے اس سلسلہ میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً انھوں نے یہ پروپیگنڈا کیا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسرں کو موجبِ گردن زنی قرار دیتا ہے اور اس میں مذہبی رواداری اور توسّع نہیں پایا جاتا۔ اس کتاب میں غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی مذہبی آزادی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعلقات پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ فاضل مصنف کے جاندار اور رواں دواں قلم نے سلیس اور دلکش اسلوب میں پیچیدہ مسائل کی گتھی سلجھائی ہے۔

ہندوستان کے پس منظر میں غیر مسلموں سے تعلقات کے موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی مفصل کتاب، دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی ایک اہم ضرورت۔

آفسیٹ کی حسین طباعت، عمدہ کاغذ، صفحات: ۳۳۲

قیمت (مجلّد) =/۱۴۰ روپئے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ علی گڑھ ۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵

امام سرخسیؒ کا فقہی اسلوب

(المبسوط کا تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر محمد سلیمان اسدی

شمس الائمہ امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسیؒ (۴۰۳-۴۹۰ھ) کا شمار کبار فقہائے احناف میں ہوتا ہے۔[1] آپ کے علمی تفوق اور فقہی بصیرت کی بنیاد پر اہل علم نے آپ کا فقہاء کے طبقۂ ثالثہ یعنی 'مجتہدین فی المسائل' میں ذکر کیا ہے۔[2] امام سرخسیؒ کا اصل تعارف تو ان کی وہ فقہی تصانیف ہیں، جو انہوں نے فقہائے احناف کی ترجمانی میں تحریر فرمائی ہیں۔[3] ان میں آپ کی کتاب 'المبسوط' شرح الکافی للحاکم الشہید المروزیؒ[4] فنی وعلمی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے، جسے آپ نے زمانۂ اسیری میں اس وقت تالیف فرمایا تھا، جب آپ کو خاقان کے حاکم نے اوزجند کی کنواں نما جیل میں محبوس کردیا تھا۔[5] یہ کتاب بنیادی طور پر ۳۰/اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے پندرہ اجزا زمانۂ اسیری میں تحریر کیے گئے تھے، جس کا خود امام سرخسیؒ نے کتاب کے مختلف مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ فقہی ابواب کی ترتیب پر 'المبسوط' کے نام سے بہت سی تصانیف منظر عام پر آئیں، تاہم ان میں امام سرخسیؒ کی کتاب 'المبسوط' کو جو قبولیت ملی وہ اس نام کی کسی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی فقہائے کرام کے ہاں مطلق 'المبسوط' کا لفظ استعمال ہو، اس سے 'المبسوط' للسرخسیؒ ہی مراد لی جاتی ہے۔[6] بہرحال یہ کتاب کئی لحاظ سے خوبیوں کی حامل ہے، جس سے خود صاحب کتاب کی فقہی بصیرت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ امام سرخسیؒ کے فقہی مقام اور فقہائے احناف کے فقہی اجتہاد کی تفہیم کے لیے ذیل کی سطور میں امام سرخسیؒ کے فقہی اسلوب کا مختلف زاویوں سے مختصر تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

فقہی جزئیات کے اثبات میں ادلّہ شرعیہ کی ترتیب

امام سرخسیؒ نے لکھا ہے کہ ایک فقیہ، قاضی اور مفتی کو چاہیے کہ کسی مسئلہ کا حل بتاتے ہوئے نصوص شرعیہ کی آئینی حیثیت اور اس کے مراتب کو پوری طرح ملحوظ رکھے اور فقہی جزئیات کے بارے میں لوگوں کی درست طریقے سے رہنمائی کرے۔ فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے لازم ہے کہ اللہ تعالی کی کتاب سے فیصلہ کرے۔ اگر درپیش معاملہ کا حل کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے فیصلہ کرے اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو صحابۂ کرام کی ہدایات پر نظر ڈالے اور ان کے مطابق فیصلہ کرے اور قیاس پر ان کو مقدم سمجھے۔ آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے، ہدایت پاؤ گے"۔ اگر ان کا آپس میں اختلاف ہو تو ان میں سے جو بذاتہ عمدہ اور احسن ہوں، انھیں اختیار کر لے۔ قاضی کو یہ حق نہیں ہے کہ ان سب کی مخالفت کرے اور اپنی رائے سے ایک نئی راہ نکال لے، کیونکہ صحابۂ کرام جس بات پر متفق ہو جائیں اس کی مخالفت کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ لیکن جب ان میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو یہ گویا ان کی طرف سے اس بات پر اجماع ہے کہ حق ان کے مختلف اقوال سے متجاوز نہیں ہے، لہٰذا کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان کی مخالفت کرکے اپنی طرف سے ایک نئی بات نکالے، لیکن وہ ان اقوال میں سے احسن قول کا انتخاب کرسکتا ہے۔ ہاں اگر صحابۂ کرام کی آراء سے بھی وہ مسئلہ حل نہ ہو تو وہ اپنی رائے کو کام میں لائے اور مرویات پر قیاس کرے اور پھر اپنی مجتہدانہ رائے سے فیصلہ کرے اور یہ باور کرے کہ یہ حق ہے، اس لیے کہ وہ قضا کے باب میں من جانب اللہ مامور ہے اور آدمی اپنی وسعت بھر مکلّف ہے۔ اگر اسے مشکل پیش آئے تو اس میں اہل فقہ کی ایک جماعت سے باہمی مشورہ

کرلے۔ ایسے ہی اگر وہ اجتہاد کا اہل نہ ہوتو وہ فقہا کے مشورہ سے بات طے کرے، کیونکہ وہ فیصلے کے لیے حکم معلوم کرنے کا محتاج ہے۔ فقہا اگر اس مسئلہ میں اختلاف کریں تو ان کے احسن اور اشبہ بالحق قول پر نظر کر کے فیصلہ کرے۔ البتہ اگر مفتی یا قاضی کی رائے اپنے ہم عصر علماء کی رائے کے خلاف ہو اور وہ اپنی رائے کو بہتر سمجھتا ہو اور وہ اشبہ بالحق ہو تو اس پر فیصلہ کرے، اس لیے کہ اہل عصر کا اجماع اس کی رائے کے بغیر منعقد نہیں ہو گا کہ وہ ان میں سے ایک ہے۔ اور اگر یہ شخص اجتہاد کی اتنی بھی صلاحیت نہ رکھتا ہو کہ مختلف اقوال میں سے کسی ایک کا انتخاب کرسکتا ہو تو علماء میں سے اس شخص کے فتوی پر، جو اس کے نزدیک زیادہ فقیہ اور پرہیزگار ہو، فیصلہ کرے۔ یہ بھی ایک طرح کا اجتہاد ہے۔''[۷]

حالات اور عرف کے تقاضوں کا لحاظ

مجتہد کو کہیں کہیں اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر فیصلہ کرنا پڑتا ہے، چاہے وہ حکم اپنے مسلک کے ائمہ فقہاء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اصل میں ایک فقیہ کو حکم شرعی میں لوگوں کے عرف اور ان کی مصلحت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے لیے مسئلہ کا حل پیش کرے۔ امام سرخسیؒ نے اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں کے حالات وتقاضوں کے مطابق بعض اوقات مجتہدانہ فتاویٰ دیے ہیں۔ اس کے لیے 'لاباس فی دیارنا'، 'فکذلک فی زماننا'، 'وفی زماننا' جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

(الف) احناف کے ہاں قبر کی ہیئت لحد کی سی ہونی چاہیے، مزید یہ کہ اس کے اندر یا باہر زیب وزینت یا مضبوطی کے لیے پکی اینٹ کا استعمال کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ خود امام سرخسیؒ نے احناف کا مذہب نقل کیا ہے، مگر اس کے بعد فرماتے ہیں:

وانما اختاروا الشق فی دیارنا لتعذر اللحد فان الارض فیھا رخاوۃ ...	ہمارے علاقوں میں زمین کے نرم ہونے کے سبب لحد بنانا دشوار ہے، اس لیے فقہاء نے شق

لا بأس فی دیارنا لرخاوۃ الارض و کان یجوز استعمال رفوف الخشب و اتخاذ التابوت للمیت حتی قالوا اتخذوا تابوتاً من حدید لم ار به باساً فی هذه الدیار ۸؎

کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ میت کے لیے لکڑی کا تختہ استعمال کرنے اور تابوت بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی نہیں، فقہاء نے تو لوہے کا تابوت بنانے کی بھی گنجائش نکالی ہے، بہرحال میرے نزدیک ان علاقوں میں ایسی چیزوں کا استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(ب) فقہاء احناف کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام خطبہ دینا شروع کر دے تو پھر کوئی شخص نماز میں مصروف نہ ہو۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور عقبہ بن عامرؓ کی روایات موجود ہیں، جن میں خطبہ کے دوران نماز کی ادائیگی سے منع کیا گیا ہے، جب کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہونے والے شخص کو تحیۃ المسجد پڑھنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت سلیکؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے دو رکعت نماز نفل پڑھ لی؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ تب آپ نے انھیں دو رکعت نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی اور اس دوران خطبہ دینے سے رکے رہے۔ اسی طرح روایت میں ہے کہ حضرت ابودرداءؓ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت خلیفہ مروان خطبہ دے رہا تھا۔ انھوں نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بعد دوران خطبہ میں دو رکعت پڑھنے سے باز نہیں آ سکتا۔ امام سرخسیؒ احناف کے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وفی زماننا الخطیب لا یترک الخطبة لاجل الداخل فلا یشتغل هو بالصلاة ۹؎

ہمارے زمانے میں خطیب دورانِ خطبہ مسجد میں آنے والے کسی شخص کے لیے خطبہ نہیں روکتا [کہ وہ دو رکعت نماز پڑھ لے] اس لیے آنے والے کو دوران خطبہ نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

(ج) اہل مدینہ اور امام شافعیؒ نے قرآن کی اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، جب کہ متقدمین ائمہ احناف اور خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ دلیل میں وہ بعض

احادیث پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث عبدالرحمٰن بن شبل الانصاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اقروا القرآن ولا تاکلوا به" ۱۰ (قرآن پڑھاؤ، لیکن اسے روزی کا ذریعہ نہ بنالو) اسی طرح حضرت ابی بن کعبؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب انہوں نے ایک شخص کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھائی اور اس نے اس کے عوض انھیں ایک کمان دی تو آپؐ نے فرمایا: اتحبّ ان یقوسک الله بقوس من نار (کیا تم اس بات کو پسند کروگے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن اس کے بدلے آگ کی کمان پہنائے) انہوں نے جواب دیا: نہیں، تو آپؐ نے فرمایا: رد علیه قوساً، (اس کی کمان اس کو واپس کردو)۔ ۱۱

تاہم امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ بلخ کے بعض ائمہ کرامؒ نے اہل مدینہ کے قول کو پسند کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ متقدمین کے زمانہ میں ایک تو لوگوں کو نیکی کی طرف رغبت زیادہ تھی، دوسرے یہ کہ معلّمین حضرات کار خیر سمجھتے ہوئے بغیر کسی بدلہ کی امید کے یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے، جب کہ ہمارے زمانے کا حال مختلف ہے:

فاما فی زماننا فقد انعدم المعنیین جمیعاً، فنقول یجوز الاستیجار لئلا یتعطل هذا الباب ولا یبعد ان یختلف الحکم باختلاف الاوقات. ۱۲	ہمارے زمانہ میں یہ دونوں چیزیں معدوم ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اس پر اجرت طلب کرنا جائز ہے، تاکہ قرآن کی تعلیم کا سلسلہ موقوف نہ ہوجائے۔ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ زمانہ کے بدلنے سے مسائل کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام سرخسیؒ کا شمار اگرچہ فقہاء کرام کے طبقۂ ثالثہ میں ہوتا ہے، جو اصول وفروع میں اپنے امام کے متبع ہوتے ہیں، پھر بھی وہ بعض امور میں حالات کے پیش نظر اپنے مسلک کے برخلاف مسئلہ کا حل تجویز فرماتے ہیں۔ اس سے ان کی فقہی بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق ہر زمانہ کے فقہاء کرام اپنی بصیرت سے لوگوں کی رہنمائی کیا کرتے تھے۔

مسائل کی تفہیم و تنقیح میں مختلف زاویے

امام سرخسیؒ بعض اوقات جب کسی مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی تفہیم اور تنقیح مختلف زاویوں سے کرتے ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

(۱) فقہی اصول وکلیات کا ذکر

وہ فقہی جزئیات کے ساتھ فقہی اصول بھی ذکر کردیتے ہیں، جس سے مذکورہ مسئلہ کی تفہیم اور تنقیح بہ آسانی ہوجاتی ہے۔ ذیل میں اس سلسلے کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف) باب السجدۃ کے تحت فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سجدہ کی آیت پڑھ لی یا کسی سے سن لی تو ہمارے ائمہ احناف کے ہاں اس پر سجدہ کرنا واجب ہے، لیکن امام شافعیؒ نے حدیث اعرابی سے استدلال کرتے ہوئے اسے مستحب کہا ہے۔ احناف کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ سے مروی وہ حدیث ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اذا تلا ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشیطان یبکی، فیقول : امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة وامرت بالسجود فلم اسجد فلی النار ۱۳

جب ابن آدم سجدہ کی آیت تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے دور جا کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر دیا۔ اس کے لیے اس کے بدلہ جنت ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس جرم کی سزا میرے لیے آگ ٹھہری۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

والاصل ان الحکیم متی حکی عن غیر الحکیم ولم یعقبه بالنکیر فذلک دلیل علی انه صواب ، ففیه دلیل علی ان ابن آدم مامور بالسجود والامر للوجوب ۱۴

ضابطہ یہ ہے کہ جب حکیم (یعنی رسول اللہ ﷺ) نے غیر حکیم (یعنی شیطان) کی بات نقل کی اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، تو یہ اس کے درست ہونے کی دلیل ہے۔ حدیث مذکور میں دلیل ہے اس بات کی کہ ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

مذکورہ فقہی کلیہ سے اولاً ائمہ احناف کے قول کی توثیق ہوتی ہے، ثانیاً حدیث تقریری کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(ب) باب صلاۃ الجمعۃ میں امام سرخسیؒ نے نمازی پر وجوب جمعہ کی کچھ شرائط بیان کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ مقیم ہو، آزاد ہو اور مرد ہو۔ اس کی دلیل کے طور پر وہ حدیث جابرؓ نقل کرتے ہیں، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ لازم ہے، سوائے مسافر، غلام، بچہ، اور مریض کے، [ان کے علاوہ] کسی شخص نے بھی لہو ولعب یا تجارت میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔'' ۱۵

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ اس کی قرین قیاس وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ غلام اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے۔ اگر وہ جمعہ کی ادائی کے لیے جائے گا تو چونکہ جمعہ میں امام خطبہ دیتا ہے اس لیے اس میں کچھ وقت لگ سکتا ہے، چنانچہ شریعت نے آقا کی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے غلام سے نماز جمعہ کو ساقط کر دیا ہے، جس طرح کہ اسے جہاد میں جانے سے منع کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

بخلاف الظهر، فانه يتمكّن من أدائه حيث هو بنفسه، فلا ينقطع عن خدمة المولى، او ذلك القدر مستثنى عنه من حق المولى، اذ ليس فيه ضرر كثير عليه، وتحمّل الضرر اليسير لايدل على تحمّل الضرر الكثير. ۱۶

بخلاف نماز ظہر کے کہ اس کی ادائی پر وہ قدرت رکھتا ہے اور اس سے آقا کی خدمت میں کوئی زیادہ انقطاع لازم نہیں آتا، یا ویسے بھی اتنی مقدار [عموماً] آقا کے حق خدمت سے مستثنیٰ ہوتی ہے، اس لیے کہ اس میں آقا کا کچھ زیادہ نقصان نہیں ہے بہر حال تھوڑا نقصان برداشت کرنا زیادہ نقصان برداشت کرنے پر دلالت نہیں کرتا۔

(ج) باب المستحاضۃ میں ایک مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک قاعدہ اور ضابطہ کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''اگر عورت چالیس دنوں سے پہلے نفاس سے پاک ہو جائے تو غسل کرے

اور نماز ادا کرے۔ اس لیے کہ نفاس کی کم از کم مدت مقرر نہیں ہے۔ باقی حکم کے اعتبار سے نفاس قلیل ہو یا کثیر، دونوں برابر ہیں، لہٰذا جب عورت نفاس سے پاک ہوجائے تو اس پر لازم ہے کہ غسل کرے اور ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے نماز پڑھے، اس لیے کہ اسے خون کا دوبارہ آنا ایک ظنی چیز ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ **"لا یترک المعلوم بموھوم"** یعنی ایک ظنی چیز کے مقابلہ میں یقینی چیز کو نہیں چھوڑا جا سکتا"۔ [۱۷]

امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب میں بہت سے مقامات پر فقہی جزئیات بیان کرتے ہوئے اصول وکلیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ فقہی جزئیات کے بیان میں ان قواعد وضوابط کو ذکر کرنے سے امام سرخسیؒ کا اصل مقصد تفہیم میں الجھن کو دور کرنا ہے، لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فقہی جزئیات کی بنیاد اور اساس محض ظنی چیزوں پر نہیں ہوتی ہے، بلکہ ان کے پس پردہ کچھ کلیات وقواعد ہوتے ہیں، جن سے فقہی جزئیات کا استنباط واستخراج ہوتا ہے۔

(۲) سیرت نبوی سے استدلال

امام سرخسیؒ بعض فقہی جزئیات کا ذکر کر کے اشارہ کرتے ہیں کہ وقتی مصلحتوں اور زمانی تقاضوں کو بھی مسائل فقہیہ کے استنباط اور استخراج میں مدنظر رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کفار مسلمانوں سے مصالحت کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کا امیر بھی اسے اسلام اور مسلمانوں دونوں کے لیے وقتی مصلحت کی بنیاد پر درست سمجھتا ہے، تو اسے ایسا کرنے کا حق ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ سے معاملہ کیا تھا۔ یہ صلح بظاہر مسلمانوں کی شکست اور دبے لفظوں میں ذلت محسوس کی جا رہی تھی، مگر حقیقت میں ہرگز ایسا نہیں تھا، بلکہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی وقتی مصلحتوں کی بنیاد پر یہ فتح اور کامیابی تھی۔ فرماتے ہیں:

لأنه کان نظراً للمسلمین لما کان بین أهل مکة وأهل خیبر من المواطئة علی أن رسول الله ﷺ إن توجه الی أحد

مدینہ کا محل وقوع مکہ اور خیبر کے درمیان ہے، [اور دونوں مسلمانوں کے دشمن تھے] اور پھر ان کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ اگر پیغمبر اسلامؐ

الفريقين أغار الفريق الآخر على المدينة، فوادع أهل مكة، حتى يأمن من جانبهم اذا توجه الىٰ خيبر۔[۱۶]

ایک گروہ پر حملہ کریں تو دوسرا فریق مدینہ پر حملہ کر دے گا۔ چنانچہ آپؐ نے اہل مکہ سے [ان کی منہ مانگی شرائط پر] صلح کرلی، تاکہ خیبر پر حملہ کرتے وقت ادھر سے اطمینان رہے۔

(۳) کلامِ عرب سے استشہاد

المبسوط اگرچہ فقہ کی کتاب ہے اور اس میں فقہی جزئیات ہی زیر بحث رہتے ہیں، اس کے باوجود اس میں بعض مقامات پر امام سرخسیؒ نے اپنے مدعا کے اثبات کے لیے ادلّہ شرعیہ کے ساتھ کلامِ عرب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ طہارتِ اصغر (وضو) کے حصول کے لیے پانی دستیاب ہونے کے وقت اعضائے مغسولہ پر پانی بہانا لازم ہے، لیکن فقہاے احناف میں امام ابو یوسفؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اعضائے مغسولہ کو محض تر کرنا کافی ہے، پانی بہانا ضروری نہیں۔ امام سرخسیؒ جمہور فقہائے کرام کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ادلّہ شرعیہ میں 'غسل' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور لغت عرب میں 'غسل' کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی چیز پر پانی بہایا جائے اور میل کچیل دور کی جائے۔ دلیل میں یہ شعر پیش کیا ہے:

فيا حسنها اذ يغسل الدمع كحلها

واذ هي تذرى دمعها بالأنامل [۱۹]

(اس کے حسن وجمال کا کیا کہنا، جب آنسو اس کی آنکھوں میں موجود سرمہ کو دھو دیتے ہیں اور جب وہ آنسوؤں کو انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتی ہے۔)

(ب) حج کے زمانہ میں محرم کو جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان میں حرم کا شکار بھی ہے۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ محرم کے لیے ہر طرح کے شکار کی ممانعت ہے، خواہ جانور ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ میں لفظ 'الصید' آیا ہے: "لَاتَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ" (المائدۃ: ۹۵) اور اہل لغت جب لفظ 'الصید' استعمال

کرتے ہیں تو اس سے عموم مراد ہوتا ہے، جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے:

صید الملوک ثعالب وأرانب ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ وإذا رکبت فصیدی الأبطال [۲۰]

(بادشاہوں کے شکار تو لومڑیاں اور خرگوش ہیں اور جب میں سوار ہوتا ہوں تو میرا شکار بہادر ہوتے ہیں۔)

(۴) تعاملِ صحابہ کرامؓ کا حوالہ

امام سرخسیؒ بعض دفعہ کسی مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے مختلف طرزِ عمل بیان کر دیتے ہیں۔ درحقیقت اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ شرعی احکام کے نفاذ میں زمان ومکان کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے، اسے ملحوظ رکھتے ہوئے طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر وہ امام حاکمؒ کا بیان کردہ مسئلہ ''امام (خلیفہ وقت) اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے بیت المال سے بقدر ضرورت مال مقرر کر لے اور لیتا رہے'' نقل کرنے کے بعد خلفائے راشدینؓ کے اخذِ وظیفہ کے بارے میں مختلف طرز ہائے عمل ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ابتدا میں وظیفہ لینے سے انکار کیا، مگر اس کے باوجود کبار صحابہؓ نے جمع ہو کر آپؓ کا وظیفہ مقرر کیا، اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی بیت المال سے وظیفہ لیتے رہے، جب کہ حضرت عثمانؓ چونکہ مالدار تھے، اس لیے انھوں نے بیت المال سے وظیفہ نہیں لیا۔[۲۱]

امام سرخسیؒ نے خلفائے راشدینؓ کے ان مختلف طرز ہائے عمل پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے، لیکن اس کے ذریعے درحقیقت یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ وظیفہ کے قبول اور عدمِ قبول میں حالات وواقعات کا بڑا دخل ہے۔ اس کا بین ثبوت خلفائے راشدینؓ کا عمل ہے، اس لیے سرکاری اعمال میں منہمک لوگوں کے وظیفہ کے بارے میں زمانہ کے حالات وواقعات اور اس شخص کی معاشی صورت حال کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

(۵) فقہاء کرامؒ کی آراء واقوال سے استدلال

امام سرخسیؒ اپنی کتاب میں بسا اوقات کسی مسئلہ کی تفہیم اور تنقیح کے لیے فقہائے کرام

کے اقوال و آراء کا بھی حوالہ دیتے ہیں، جس سے مسئلہ کی صحت کے بارے میں تشفی اور اطمینان ہو جاتا ہے۔ کتاب میں اس سلسلے کی بہت سی نظیریں موجود ہیں، مثلاً کبھی وہ فرماتے ہیں: ”**هٰكذا ذكره فى نوادر ابى سليمان**“ کبھی کہتے ہیں: ”**ذكره فى نوادر هشام**“ کبھی فرماتے ہیں: ”**وذكر فى النوادر**“ کہیں امالی ابی یوسف کا حوالہ دیتے ہیں، کبھی فرماتے ہیں: **هكذا ذكر فى الجامع الصغير، ذكر ها فى كتاب الآثار، ذكرها الطحاوى**۔[۲۲]

(۶) فقہی جزئیات میں احتیاط پر مبنی مسلک اختیار کرنا

المبسوط میں بہت سے مقامات پر معلوم ہوتا ہے کہ جہاں حلال وحرام کے مسائل واحکام کا بیان ہوتا ہے وہاں امام سرخسیؒ احوط قول کو اختیار کرتے ہیں، چاہے وہ قول ائمہ احناف کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اس کی توضیح کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

ائمہ احناف کے ہاں حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے کم از کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا لازمی ہے، جب کہ شافعیہؒ کے ہاں اس کے لیے چار عورتوں کا ہونا ضروری ہے اور مالکیہؒ کے ہاں ایک عادل عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ مالکیہؒ کا استدلال حدیثِ عقبہ بن حارث ہے، جس میں آپ ﷺ نے ایک عورت کی گواہی کو قبول کیا تھا اور عقبہ بن حارث کے ابی ہانی کی بیٹی سے نکاح کو فسخ کر دیا تھا۔[۲۳] جب کہ فقہائے احنافؒ اس بارے میں حدیث عمرؓ سے استشہاد کرتے ہوئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری سمجھتے ہیں۔ امام سرخسیؒ اس مقام پر احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء مالکیہؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

فالأحوط ان يتنزّه عنها ويأخذ بالثقة، سواء أخبرت بذلك قبل عقد النكاح أو بعد عقد النكاح، وسواء شهد به رجل أو امراة۔[۲۴]

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ وہ شخص اپنے آپ کو اس عورت سے دور رکھے اور ثقہ عورت کی گواہی کو اختیار کر لے، خواہ اس کے بارے میں اس نے گواہی عقد نکاح سے پہلے دی ہو یا بعد میں اور خواہ اس معاملہ میں ایک مرد نے گواہی دی ہو یا صرف ایک عورت نے۔

(۷) غلط رسومات پر تنقید

امام سرخسیؒ بسا اوقات اپنے زمانہ کی غلط اور مروّجہ غیر شرعی رسومات پر تنقید بھی کرتے ہیں اور اس ضمن میں تاریخی حکایات اور واقعات بھی بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے زمانہ میں ایک غلط طرز عمل یہ چل پڑا ہے کہ قاضی کی عدالت کے دروازہ پر ایک دربان بٹھا دیا جاتا ہے، جو لوگوں کے عدالت میں داخل ہونے سے پہلے ان سے رقم وصول کرتا ہے۔ قاضی کو اس کا علم ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اس سے منع نہیں کرتا۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ حالاں کہ مسجد یا قاضی کی عدالت میں داخل ہونے سے کسی کو بھی نہیں روکا جا سکتا۔ اس کے باوجود لوگ ظلم سے بچنے کے لیے رشوت دیتے ہیں۔ اس معاملہ میں قاضی اور اس کے دربان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے امین کے متعلق جانتا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے یا بدکاری میں ملوث ہے، مگر اس کے باوجود اس کو اس سے منع نہیں کرتا۔ [۲۵]

(۸) تاریخی واقعات کا بیان

امام سرخسیؒ نے المبسوط میں بہت سے مقامات پر تاریخی واقعات ذکر کر کے مسائل کی تفہیم میں آسانی پیدا کی ہے۔ مثال کے طور پر حرمت رضاعت کے بارے میں وہ امام بخاریؒ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ اس بات کے قائل تھے کہ اگر دو بچوں نے کسی جانور کا دودھ پی لیا تو ان کے درمیان حرمت ثابت ہو جائے گی، تاہم ائمہ احناف کے نزدیک جانوروں کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس موقع پر وہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ امام ابوحفصؒ کے زمانے میں محمد بن اسماعیل صاحب الاخبار، بخارا میں تشریف لائے اور حرمتِ رضاعت کے بارے میں فتوی دینے لگے۔ شیخ ابوحفصؒ نے انہیں (اس علاقہ میں) ایسا کرنے سے منع کیا، اس کے باوجود وہ باز نہ آئے۔ چنانچہ جب لوگوں کو ان کی اس رائے کا علم ہوا تو اکٹھے ہو گئے اور انھیں بخارا سے نکال دیا۔ اس لیے کہ عام لوگوں کی سمجھ بھی اسی چیز کا تقاضا کرتی تھی کہ حرمت کی بنیاد کرامت پر ہے، اور کرامت کا اختصاص انسان کے ساتھ ہے نہ کہ جانور سے۔ [۲۶]

(۹) ترجیح اور محاکمہ

جب کسی مسئلہ کے متعلق فقہاء احناف کی مختلف آراء پائی جاتی ہیں اور کسی ایک قول پر ان کا اتفاق نہیں ہوتا تو امام سرخسیؒ ان حضرات کے دلائل کی قوت کا اندازہ لگا کر ان کا محاکمہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(الف) امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کے منصبِ قضا کی حیثیت کی تعیین میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا کہ قاضی معاملات اور عبادات دونوں مسائل میں فتوی جاری کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ قاضی صرف معاملات کی حد تک فیصلہ کر سکتا ہے۔ ان حضرات نے قاضی شریح کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ جب ان سے حبس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں صرف فیصلہ کر سکتا ہوں، فتوی نہیں دے سکتا۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ معاملات میں تو فتوی نہیں دے سکتا البتہ عبادات سے متعلق فتوی دے سکتا ہے۔ یہ اختلاف ذکر کر کے امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

والاصح انه لاباس بان يفتى فى المعاملات والعبادات فى مجلس القضاء وفى غير مجلس القضاء، فقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفتى ويقضى والخلفاء رضى الله عنهم بعده كذلك . ۲۷	درست بات یہی ہے کہ قاضی معاملات اور عبادات دونوں صورتوں میں فتوی جاری کر سکتا ہے، خواہ وہ مجلس قضاء میں ہو یا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدینؓ کا عمل بھی ایسا ہی تھا کہ وہ فتوی بھی دیا کرتے تھے اور فیصلہ بھی کیا کرتے تھے۔

(ب) کوئی ذمی کسی مسلمان سے ایک مکان اجرت پر لے اور اس میں کوئی انفرادی شکل کی عبادت گاہ بنا لے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کرایہ کے اس مکان میں کنیسہ وغیرہ بنا لے، جس میں دوسرے لوگ بھی جمع ہوں اور اپنے مراسمِ عبودیت ادا کریں۔ بعض اہل علم دوسری صورت کو اختیار کرنے سے صرف شہروں کی حدود میں منع کرتے ہیں، جب کہ دیہات میں کرایہ کے مکان میں ایسا کرنے سے منع نہیں کرتے، جب کہ بعض دوسرے اہل علم شہر اور دیہات دونوں جگہوں پر اس کی اجازت نہیں دیتے۔ امام سرخسیؒ دونوں طرح کے اقوال نقل

کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک پہلا قول درست ہے۔ صرف شہروں میں اس سے منع کیا جائے گا، تاکہ بعض نادان لوگ ان کے فتنے میں نہ آجائیں''۔ ۲۸

ائمہ احناف اور صاحب الکافی حاکم شہیدؒ سے فقہی اختلافات اور اسباب

امام سرخسیؒ نے المبسوط میں بہت سے مقامات پر حاکم شہیدؒ اور ائمہ احناف کی فقہی جزئیات سے اختلاف کیا ہے۔ اختلاف کی صورت میں وہ ائمہ احناف کی دلیل ذکر کرنے کے بعد اپنا نقطہ نظر دلیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت ذیل میں چند مثالوں سے کی جاتی ہے:

۱- بدعقیدہ کی گواہی کی قبولیت کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں ائمہ احناف اور ابن ابی لیلیٰؒ کا قول یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول کی جائے گی، جب کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا شخص کفر کے قریب ہے تو اس کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں، بصورت دیگر اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ایسے شخص کے بارے میں امام سرخسیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے:

والأصحّ عندی أنّها لاتُقبل، لأن المعتقد للهوىٰ يدعوالناس الى اعتقاده، ومتّهم بالنقول على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لاتمام مراده، فلا تقبل روايته لهذا۔ ۲۹

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیوں کہ بدعقیدہ شخص لوگوں کو اپنی بدعقیدگی کی طرف بلاتا ہے اور ایسا شخص محض اپنے مقصد کے حصول کے لیے نبی کریم ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی بات نہیں قبول کی جائے گی۔

۲۔ اگر حاکم وقت مالِ خراج کی تجارت کی غرض سے سائمہ بکریاں خرید لے اور ان پر ایک سال گزر جائے تو امام حاکم شہید کے نزدیک ان پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے۔ امام سرخسیؒ ان کے مسلک کو نقل کرکے اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

وفى هذاالفصل نظر، فان الزكوة لاتجب الا باعتبار الملك والمالك، ولهذا لا تجب فى سوائم

یہ مقام محلِ نظر ہے، اس لیے کہ زکوۃ کے وجوب کے لیے ملک اور مالک کا ہونا ضروری ہے۔ (اگر کوئی ایک شرط نہ ہو، یا دونوں شرائط مفقود

الوقف ولافی سوائم المکاتب، ویعتبر فی ایجابھا صفة الغنی للمالک، وذلک لا یوجد ھنا اذا اشتراھا الامام بمال الخراج للمقاتلة فلاتجب فیھا الزکوة، الا ان یکون مراده انه اشتراھا لنفسه فحینئذ تجب فیھا الزکوة باعتبار وجود المالک وصفة الغنی له۔ ۳۰

ہوں تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جیسا کہ) سوائم الوقف (ملک نہیں) اورسوائم المکاتب (مالک نہیں) میں زکوۃ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ زکوۃ کے وجوب کے لیے مالک کا غنی ہونا بھی ضروری ہے، جب کہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں تو امام نے مالِ خراج سے ان سائمہ بکریوں کو خریدا ہے، اس لیے یہاں زکوۃ نہیں۔ ہاں اگر امام ذاتی طور پر اپنے لیے ان بکریوں کو خریدتا تو اس وقت زکوہ لازم ہوتی، کیونکہ اس صورت میں مالک پایا جارہا ہے اور وہ غنی بھی ہے۔

مسائل اور دلائل کی تکرار سے اجتناب

المبسوط میں فقہی جزئیات کے ضمن میں ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کرام کے مسالک اور ان کے دلائل بیان کرتے ہوئے امام سرخسیؒ نے اکثر وبیش تر مسائل اور دلائل کی تکرار سے اجتناب کیا ہے۔ اس سلسلے کی چندمثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(الف) بعض دفعہ وہ کوئی فقہی جزئیہ بیان کرتے ہوئے اس جیسے دیگر جزئیہ کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں، مثلاً: ''**وقد بیّنا اختلاف الروایات فی کتاب الشرکة**'' ۳۱ اور ''**وقد بیّنا ھذا فی کتاب الدعوی ایضاً**'' ۳۲ اور ''**وقد بیّنا الکلام فی مقدار التعزیر فی کتاب الحدود**''۔ ۳۳

(ب) بسا اوقات طوالت سے بچنے کے لیے امام محمدؒ یا اپنی کسی دوسری کتاب میں مذکور مسئلہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے نکاح کے وقت مہر کے عدم تعین اور بیع وشراء کے وقت قیمتوں کے تعین سے متعلق مسئلہ میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وتمام بیان ھذا الفصل فی الجامع الصغیر۔ ۳۴

(ج) بعض مقامات پر کسی فقہی جزئیہ کے متعلق تفصیلی مسائل اور دلائل کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ متعلقہ ضروری بحث بھی ذکر کردیتے ہیں۔ ۳۵

امام سرخسیؒ کے فقہی تسامحات

(الف) نقلِ مسالک میں

المبسوط کے بعض مقامات پر امام سرخسیؒ سے ائمہ وفقہاء کرام کے مسالک نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے، مگر اس بات کا بھی امکان ہے کہ چوں کہ ائمہ مذاہب سے مختلف اقوال منقول ہوتے ہیں اور امام سرخسیؒ کی تالیف ان کے زمانۂ اسیری میں شروع ہوئی تھی تو اس وقت شاید آپ تک ان کا یہی مسلک پہنچا ہو، تاہم ائمہ کرام کے مسالک جنھیں تلقی بالقبول حاصل ہے، ان کے برعکس ہیں۔ اس سلسلے کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱- امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ ''ائمہ احناف اور شافعیہ کے یہاں باپ کی اولاد کے حق میں اور اولاد کی باپ کے حق میں گواہی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بیوی کی اپنے خاوند کے حق میں، خاوند کی بیوی کے حق میں، غلام کی اپنے آقا کے حق میں اور آقا کی اپنے غلام کے حق میں گواہی جائز نہیں ہے، جب کہ امام مالکؒ باپ کی اولاد کے حق میں اور اولاد کی باپ کے حق میں گواہی کو درست قرار دیتے ہیں۔ [۳۶]

یہاں امام سرخسیؒ سے امام مالکؒ کا مسلک نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔ اس لیے کہ فقہ مالکیؒ کے مشہور امام علامہ ابن عبدالبرؒ اپنی کتاب الکافی میں امام مالکؒ کا مسلک اس کے برعکس نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

ومن هذا لم تجز شهادة الأب لابنه وإن علا، ولا شهادة الإبن وإن سفل لأبيه، وان كانوا عدولاً على غيرهم۔ [۳۷]	اس وجہ سے باپ دادا کی گواہی بیٹے پوتے کے حق میں اور بیٹے پوتے کی گواہی باپ دادا کے حق میں جائز نہیں ہے، اگرچہ یہ لوگ دوسروں کے معاملات میں عدول (معتبر) ہوں گے۔

۲- کیا مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا؟ اس سلسلے میں وہ امام ابراہیم نخعیؒ کا مسلک ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

وعن ابراهيم النخعي انه لا يسجد معه لان اوان سجود السهو بعد السلام	ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو ادا نہیں کرے گا، کیوں کہ سجدۂ

وهو لا يتابعه فی السلام فكيف يتابعه فيما يودی بعد السلام ۔ ۳۸

سہو کا وقت سلام کے بعد ہے۔ جب مقتدی سلام پھیرنے میں امام کی پیروی نہیں کرے گا تو پھر وہ کیوں کر سلام کے بعد ادا کیے جانے والے عمل میں اس کی متابعت کرے گا۔

حالاں کہ سجدۂ سہو سے متعلق یہ مسلک امام ابراہیم نخعیؒ کا نہیں، بلکہ ابن سیرینؒ کا ہے۔۳۹

(ب) قوتِ دلائل میں

امام سرخسیؒ نے المبسوط میں بعض فقہی جزئیات کے بارے میں رکیک اور کمزور قسم کی تاویلات کی ہیں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ شاید آپ کی پہلی ترجیح یہ تھی کہ ظاہر الروایۃ سے ثابت شدہ مسائل کو حتی الامکان درست قرار دیا جائے اور اس کے مقابلہ میں نادر الروایہ کی تاویل کی جائے۔ مثال کے طور پر بعض روایات میں صلوۃ الکسوف میں ایک رکعت میں ایک سے زائد رکوع کیے جانے کا تذکرہ ہے۔ ان روایات کے بارے میں فقہائے احناف بہ شمول سرخسیؒ مختلف توجیہات کرتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے ان تاویلات کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی الله عليه وسلم كان ركع ركوعاً طويلاً، وكان الصحابة يرفعون رؤوسهم، يرون انه هل قام منه ام لا؟ فتوهّم المتأخّرون منهم تعدّد الركوع، فانه ركيك عندی وان كان أصله من المبسوط للسرخسی ۔۴۰

نبی علیہ ﷺ نے لمبا رکوع کیا اور صحابۂ کرام بار بار اپنے سروں کو اٹھاتے رہے، یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ کھڑے ہوئے ہیں یا نہیں، تو پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں نے کئی رکوع کا گمان کرلیا۔ میرے نزدیک یہ توجیہ رکیک اور کمزور ہے، اگرچہ یہ امام سرخسیؒ کی کتاب المبسوط میں مذکور ہے۔

(ج) فقہی کلیات میں

امام سرخسیؒ نے المبسوط کے مختلف مقامات پر یہ فقہی کلیہ بیان کیا ہے: ”بناء القوی علی الضعيف لايجوز“ (قوی کی بنیاد ضعیف پر نہیں ہوسکتی) لیکن کہیں وہ خود ہی اس کلیہ

کے خلاف مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

واما اذا شرع فی الصلاۃ قائماً، ثم عجز عن القیام فی خلال الصلاۃ وقعد، لہ ان یبنی علی صلاتہ، لان ھذا بناء القوی علی الضعیف وذلک یصح۔[۴۱]

بہرحال جب ایک آدمی کھڑے ہو کر نماز شروع کرتا ہے، پھر درمیانِ نماز کھڑے ہونے سے عاجز ہو جاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے، تو اس کے لیے اجازت ہے کہ اس پر اپنی نماز کی بنا کرے۔ اس لیے کہ یہاں قوی کی بنیاد ضعیف پر ہے اور ایسا کرنا درست ہے۔

یہاں اگرچہ مسئلہ کی نوعیت اور اس کے تقاضے کو دیکھتے ہوئے درایت کے لحاظ سے صحت کا حکم لگانا درست ہے، تاہم امام سرخسیؒ کے بیان کردہ ضابطہ کے مطابق اسے درست نہیں ہونا چاہیے۔

حواشی ومراجع

۱ ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے آپ کا نام محمد بن ابی سہل بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ جن سوانح نگاروں نے آپ کا نام محمد بن احمد بن ابی سہل لکھا ہے، ان سے سہو ہوا ہے۔ (مالک رام و مختار الدین احمد [مرتبین] مقالہ نگار حمید اللہ، نذر عرشی، نئی دہلی، مجلس نذر عرشی، ۱۹۶۵ء، ص۱۲۱) القرشی، محی الدین ابو محمد عبدالقادر ابن ابی الوفاء، **الجواھر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ**، حیدر آباد دکن: مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، ھند، ۱۳۳۲ھ، ۲/۲۹ ۔ ابن قطلوبغا، زین الدین قاسم، **تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ**، بغداد: مطبعۃ العانی، ۱۹۶۲ء، ص۵۲۔ الزرکلی، خیر الدین: **الاعلام قاموس التراجم**، بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۸۴ء، ۵/۳۱۵۔ حاجی خلیفۃ، **کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون**، بیروت: دار احیاء التراث العربی، سن ندارد، باب المیم، ۲/۱۵۸۰۔ طاش کبری زادہ، **مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۵ء، ۲/۲۴۶۔

فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیۃ، لاہور: المیز ان ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۱

۲۔ لکھنوی، ابوالحسنات محمد عبدالحی، **الفوائد البهية فی تراجم الحنفية، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، کراچی**، ٢٠٠٤ء، ص٢٠٦

۳۔ سوانح نگاروں نے امام سرخسیؒ کی ان تصانیف کا تذکرہ کیا ہے: (۱) شرح السیر الکبیر (۲) شرح السیر الصغیر (۳) اصول الفقہ (۴) صفۃ اشراط الساعۃ ومقامات القیامۃ (۵) شرح الجامع الکبیر (٦) شرح مختصر الطحاوی (۷) المبسوط شرح الکافی۔

۴۔ آپ کا نام ابوالفضل محمد بن محمد بن احمد المروزی ہے۔ حاکم شہید کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ نے امام محمدؒ کی چھ کتابیں، جو ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور ہیں، ان کی تلخیص 'الکافی' کے نام سے کی۔ آپ کی ایک اور کتاب 'المنتقی' ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ [حاجی خلیفہ، **کشف الظنون، باب الکاف**، ١٣٢٨/١]

۵۔ **الجواهر المضيئة فی طبقات الحنفية**، ٢٩/٢، **الفوائد البهية فی تراجم الحنفية**،ص ٢٠٦

٦۔ **کشف الظنون، باب الکاف**، ١٣٢٨/١

۷۔ **السرخسی: المبسوط، دار الکتب العلمية، بيروت**، ٢٠٠١ء، **کتاب ادب القاضی**، ١٩٥/١٦

۸۔ **ایضاً، باب غسل الميت**، ٩٨/٢

۹۔ **ایضاً باب صلوة الجمعة**، ٤٦/٢

۱۰۔ **احمد بن حنبل، المسند، حديث**: ١٥٦٧٤

۱۱۔ **ایضاً، حديث**: ٢٢٧٥٥

۱۲۔ **المبسوط، باب الاجارة الفاسدة**، ٤١/١٦

۱۳۔ **ایضاً ، کتاب الصلوة، باب السجدة**، ٦/٢

۱۴۔ **ایضاً**

۱۵۔ سنن الدار قطنی، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۳ء، ۳/۲، السنن الکبری، للبیهقی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۴ء، ۱۸٤/۳

۱۶۔ المبسوط، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، ۲/ ۳٦۔ ۳۷

۱۷۔ ایضاً، باب المستحاضة، ۲/ ۳۲۔ ۳۳

۱۸۔ ایضاً، کتاب السیر، باب الصلح والموادعة، ۱۰/ ۹٦

۱۹۔ ایضاً، کتاب الصلوة، ۱/ ۷٦

۲۰۔ ایضاً، باب جزاء الصید، ٤/ ۱۰۱

۲۱۔ ایضاً، باب عشر الارضین ۳/ ۲۳

۲۲۔ ملاحظہ کیجیے المبسوط،۲/۱۱،۲۵۲،۲۵۳،۲۵۹، ۵/۱۰۰، ۱٦/۱٦

۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات ،۲٦٦۰، سنن ابوداود، کتاب الاقضیة ،۳٦۰۳ ، سنن نسائی، باب الرضاع ،۹۰۱٦

۲۴۔ المبسوط، باب الرضاع، ۵/ ۱۳۱

۲۵۔ ایضاً، کتاب ادب القاضی، ۱٦/ ۹٤

۲۶۔ ایضاً، باب الرضاع، ۵/ ۱۳۲

۲۷۔ ایضاً، کتاب ادب القاضی، ۱٦/ ۱۰۰

۲۸۔ ایضاً، باب اجارة الدور والبیوت، ۱۵/ ۱۵۱

۲۹۔ ایضاً، باب من لا تجوز شهادته، ۱٦/ ۱۵۸

۳۰۔ ایضاً، باب زکوة الارضین والغنم والابل، ۳/ ۵۵

۳۱۔ ایضاً، باب اجارة الدور والبیوت، ۱۵/ ۱۵۷

۳۲۔ ایضاً، باب الاستحلاف، ۱٦/ ۱۳۸

۳۳۔ ایضاً، باب شهادة الزور، وغیرها، ۱٦/ ۱۷٤

۳۴۔ ایضاً ،باب الشهادة فی الشراء والبیع، ۱٦/ ۱۹۰

۳۵۔ ایضاً، وقدبینا فی کتاب الطلاق والتطلیقتین ولا یجوز شهادة دافع عن

نفسه الخ، باب شهادة الزور وغيرها،١٧٥/١٦

۳۶؎ ایضاً، باب من لاتجوز شهادته، ١٤٣/١٦

۳۷؎ ابن عبدالبر، كتاب الكافي في فقه اهل مدينة المالكي، قاهره: مكتبه حسان، ١٩٧٩ء، كتاب الشهادة، ٢١٠/٢

۳۸؎ المبسوط، باب سجود السهو، ٣٣٠/١

۳۹؎ النووی، المجموع شرح المهذب، بيروت: دارالفكر، ٢٠٠٣ء، ١٤٦/٤

۴۰؎ انور شاه كشميرى، فيض البارى، المطبعة الاسلامية السعودية، لاهور، ١٩٧٩ء، باب صلوة الكسوف، ٣٨٢/٢، المبسوط، ١٥٠/٢

۴۱؎ المبسوط، باب صلوة المريض، ٣٨٢/١

☆☆☆

مذہب کا اسلامی تصور

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اس کتاب میں معاملاتِ دنیا سے مذہب کی بے دخلی کے تصور کو اس کے خاص تاریخی تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ چرچ کے ناقابلِ بیان مظالم کے نتیجے میں یورپ میں چرچ اور اسٹیٹ کی علیحدگی اور مسیحیت سے بے زاری کے ساتھ خود مذہب سے بے زاری پیدا ہوگئی تھی۔ دوسرے باب میں قرآن اور سنت کی روشنی میں اسلام کے مطلوبہ تصوّرِ مذہب کو پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آفسیٹ کی عمدہ طباعت، صفحات: ۵۹۱ قیمت =/۱۰۰ روپئے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

اعلانِ ملکیت سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، فارم:۴، رول:۹

ا۔مقام اشاعت: نبی نگر،(جمال پور)علی گڑھ

۲۔نوعیت اشاعت : سہ ماہی

۳۔ پرنٹر پبلشر: سید جلال الدین عمری

۴۔قومیت: ہندوستانی

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو،نئی دہلی - ۲۵

۵۔ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری،

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو،نئی دہلی - ۲۵

۶۔ملکیت: ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی،

نبی نگر،(جمال پور)،علی گڑھ

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

ا۔مولانا سید جلال الدین عمری (صدر)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو،نئی دہلی - ۲۵

۲- ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی (سکریٹری)

سی ۹، ڈوپلکس کوارٹرس،سول لائنس،علی گڑھ

۳۔ڈاکٹر محمد رفعت (خازن)

شعبۂ فزکس، جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی

۴- پروفیسر صدیق حسن (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو،نئی دہلی - ۲۵

۵۔ جناب محمد جعفر (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی - ۲۵

۶۔مولانا محمد فاروق خاں (رکن)

۱۳۵۳- بازار چتلی قبر، دہلی-۶

۷۔ جناب ٹی، کے، عبداللہ (رکن)

مالاتھن کنڈی ہاؤس،بیلیری، کالی کٹ

۸۔ جناب نصرت علی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی - ۲۵

۹۔ ڈاکٹر احمد سجاد (رکن)

طارق منزل، بریاتو ہاؤسنگ کالونی، رانچی

۱۰۔انجینیر سید سعادت اللہ حسینی (رکن)

حیدر آباد

مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر

سید جلال الدین عمری

برِّ صغیر ہند میں بچوں کا سیرتی ادب

(اردو زبان میں)

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

برِّ صغیر ہند میں سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مختلف جہات سے کام ہوا ہے اور ہر سطح اور ہر معیار کی تصانیف وجود میں آئی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اگر چہ یہاں اسلام کی آمد کے بعد سے تقریباً ایک ہزار سال تک سیرتِ نبوی کے موضوع پر کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا ہے، بلکہ یہاں کی علمی روایت عموماً عقلیات اور لفظی مباحث کے گرد گھومتی رہی ہے، لیکن گزشتہ دو صدیوں میں یہاں کے اصحابِ علم نے ماضی کی کوتاہی کی کما حقّہ تلافی کر دی ہے اور اس عرصہ میں سیرتِ نبوی پر مختلف پہلوؤں سے بڑا معیاری کام ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ممتاز دانش ور ڈاکٹر محمود احمد غازی (م ۲۰۱۰ء) کی شہادت کافی ہے:

> ''گزشتہ دو سو سال کے دوران برِّ صغیر میں سیرتِ پاک کے موضوع پر کمّاً و کیفاً اتنا وقیع کام ہوا ہے کہ اس پر برِّ صغیر کے مسلمان باشندوں کو نہ صرف بارگاہِ ربّ العلیٰ میں سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیے، بلکہ برِّ صغیر میں جو کام ہوا ہے اس پر ہمیں کسی حد تک احساسِ تفاخر بھی ہونا چاہیے''۔ [۱]

آگے مزید فرماتے ہیں:

> ''انیسویں صدی کے وسط سے مطالعۂ سیرت کی جو غیر معمولی سرگرمی برِّ صغیر میں دیکھنے میں آئی، اس کی مثالیں دنیائے اسلام میں کم ملتی ہیں''۔ [۲]

برِّ صغیر ہند میں آخری زمانے میں سیرت نگاری کا ایک نیا رجحان یہ ابھرا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان میں مختصر کتابیں تالیف کی جائیں۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا

جائے تو اس رجحان کا سراغ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر سے ملتا ہے، پھر بیسویں صدی کے نصف اوّل میں اس سلسلے میں مزید پیش رفت ہوئی۔ بعد میں تقسیمِ ہند کے بعد بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں اس موضوع پر بڑے پیمانے پر کام ہوا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس قابلِ قدر اور معرکہ آرا کام کا تجزیہ اور تحلیل تو دور کی بات ہے، علمی و دینی حلقوں میں اس کا تعارف بھی نہیں کرایا جا سکا ہے۔ چنانچہ تلاشِ بسیار کے باوجود راقمِ سطور کو اس موضوع پر کوئی مواد نہ کسی کتاب میں مل سکا، نہ کوئی مقالہ اس کی نظر سے گزرا اور نہ علمی مجلّات میں شائع ہونے والے، سیرت کی کتب و مقالات کے اشاریوں کے ذریعے اس موضوع پر کسی کام کا سراغ لگ سکا۔ راقم کا یہ مقالہ غالباً نقشِ اوّل ہے۔ امید ہے کہ بچوں کے ادب اور خاص طور پر سیرتِ نبوی سے دل چسپی رکھنے والے اہلِ علم اس جانب پیش قدمی کریں گے اور اس موضوع پر ہونے والے کام کے تعارف و تذکرہ کے ساتھ اس کا تجزیہ کرنے اور اس کی قدر و قیمت متعین کرنے کی خدمت انجام دیں گے۔

انیسویں صدی عیسوی میں سیرتی ادب اطفال

(قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی 'مہر نبوت')

انیسویں صدی میں بچوں کے لیے سیرت کی کتابیں تالیف کرنے والوں میں ایک اہم نام قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۸۶۷-۱۹۳۰ء) کا ہے۔ علمی دنیا قاضی صاحب کو 'رحمۃ للعالمین' کے مؤلف کی حیثیت سے جانتی ہے۔ اس کتاب کی شہرت علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کی سیرۃ النبی سے کم نہیں ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

> ''مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرۃ النبی کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی۔ اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی۔ یہ مولوی انشاء اللہ خاں مرحوم ایڈیٹر 'وطن' کی آواز تھی۔ انھوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان صاحب چوں کہ اس کے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اس لیے مولانا شبلی کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اس کے

بعد خاموشی سے بیس برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصنیفوں کی کئی جلدیں
ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت کی عزت پائی'' ۔۳

قاضی محمد سلیمان منصورپوری سرکردہ اہل حدیث علماء میں سے تھے۔ انھوں نے متعدد اہلِ حدیث کانفرنسوں کی صدارت کی ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے بھی رکن تھے۔ ریاست پٹیالہ (پنجاب) میں سیشن جج کے عہدہ پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جوش خطابت سے بھی نوازا تھا۔ متعدد آریہ سماجی لیڈروں سے ان کے کامیاب مناظرے ہوئے۔ انھیں تصنیف و تالیف کا بھی بڑا اچھا ذوق اور ملکہ تھا۔ ان کی تفسیر سورۂ یوسف مسمی بہ 'الجمال والکمال' شہرت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ 'الصلاۃ والسلام'، 'برہان'، 'استقامت'، 'معراج المومنین' اور 'سبیل الرشاد' (سفرنامۂ حج) بھی ان کی تصانیف ہیں۔۴ انھوں نے سیرت نبوی پر تین کتابیں لکھنے کا منصوبہ بنایا تھا: مختصر، متوسط اور مطوّل۔ مطوّل کتاب تالیف کرنے کی تو انھیں سعادت حاصل نہ ہوسکی، البتہ ان کی مختصر اور متوسط، دونوں کتابیں شائع ہوکر مقبول ہوئیں۔ مختصر کتاب کی اشاعت 'مہر نبوت' کے نام سے ۱۸۹۹ء میں ہوئی ہے۔ متوسط کتاب (رحمۃ للعالمین) تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی جلد اول ۱۹۱۲ء میں اور جلد دوم ۱۹۲۱ء میں طبع ہوئی۔ جلد سوم کی اشاعت مصنف کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں ممکن ہوسکی۔ رحمۃ للعالمین کو علمی و دینی حلقوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور ملک کے طول وعرض کے متعدد مدارس اسلامیہ، مثلاً جامعہ عثمانیہ دکن، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند، جامعہ عباسیہ بہاول پور، حمایت الاسلام لاہور وغیرہ کے نصابِ درس میں داخل کی گئی۔

'مہر نبوت' سیرتِ نبوی پر ایک مختصر سی کتاب ہے۔ مصنف کی حیات ہی میں اس کے متعدد ایڈیشن منظر عام پر آئے تھے۔۵ بعد میں بھی یہ برابر شائع ہوتی رہی۔ ۲۰۰۶ء کی اشاعت ۳۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انتہائی اختصار کے ساتھ سیرت نبوی بیان کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا نام ونسب، نبوت، مکی زندگی، ہجرت حبشہ و مدینہ، مدنی عہد کی دعوتی سرگرمیاں ، ازواج واولاد وغیرہ۔ آخر میں اخلاق وتعلیماتِ نبوی کا بیان کسی قدر تفصیل سے ہے۔ غزوات کا تذکرہ صرف چھ سطروں میں ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں مصنف نے لکھا ہے:

''یہ مختصر رسالہ سیدنا نبیﷺ کے محاسن و فضائل اسی قدر دکھلا سکتا ہے جس قدر آفتاب کی روشنی کو ذرّہ۔ لیکن میں نے دیکھا کہ لوگ مستند فاضلوں کی بڑی بڑی کتابوں کو نہیں پڑھتے اور ناواقفیت کی وجہ سے تاریکی میں پڑے رہتے ہیں۔ امید ہے کہ اس مختصر کو پڑھ کر مسلمانوں کے دلوں میں آں حضرتﷺ کی محبت اور ذوقِ اطاعت ترقی پذیر ہوگا اور ناواقفوں کی بے خبری کے حجاب کسی قدر اٹھ جائیں گے۔ رسالہ کا ہر فقرہ صحیح روایت سے لیا گیا ہے اور بڑے بڑے مطالب کو چھوٹے چھوٹے فقروں میں ادا کرنے کی سعی کی گی ہے''۔[۲]

بیسویں صدی کے نصف اول میں بچوں کے لیے کتبِ سیرت

(الف) جامعہ ملیہ اسلامیہ کی خدمات

بیسویں صدی کے نصف اول میں بچوں کے لیے سیرت نگاری کے میدان میں مسلمانانِ ہند کی مشہور دانش گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی اوراس کے موقر اساتذہ کی خدمات زرّیں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس کی تاسیس ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں عمل آئی تھی، پھر ۱۹۲۵ء میں وہ دہلی منتقل ہوگئی۔اس کے بانیوں نے ابتدا ہی سے بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت کو اپنا مطمح نظر بنایا اوراس کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ان میں سے ایک تدبیر یہ تھی کہ ۱۹۲۶ء سے 'پیامِ تعلیم' کے نام سے بچوں کے لیے مخصوص ایک ماہ نامہ کا اجرا کیا گیا۔اس میں دل چسپ کہانیاں، سائنسی اور مذہبی معلومات، کارٹون، لطیفے اور مزاحیہ مضامین، تاریخ اور جغرافیہ سے متعلق مواد، بچوں کی ذہنی سطح اور نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت آسان زبان میں شائع کیا جاتا تھا۔ساتھ ہی 'مکتبہ پیام تعلیم' قائم کیا گیا، جس سے بچوں کے لیے اخلاقی و تربیتی کہانیاں اور دینی معلومات پر مبنی کتابیں بڑے پیمانے پر شائع کی گئیں۔دینی کتابیں قرآن و حدیث کی تعلیمات، قصص الانبیاء، ارکان اسلام، عقائد اسلام، سیرت نبوی، ازواج مطہرات، بنات النبی، سیرت خلفائے راشدین، سیرت صحابہ، بزرگوں کے سوانح اور تاریخ اسلام کے

مضامین پر مشتمل ہوتی تھیں۔ موضوع کی مناسبت سے یہاں صرف سیرت نبوی سے متعلق کتابوں کا تعارف کرایا جارہا ہے۔

(۱) **سرکار کا دربار:** اس کے مصنف جناب الیاس احمد مجیبی ہیں۔ مجیبی صاحب نے سیرت نبوی اور سیرت صحابہ پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ سیرت صحابہ پر ان کی دو کتابیں 'چار یار' اور 'دس جنتی' شائع ہوئی ہیں۔ اول الذکر خلفائے راشدین پر اور مؤخر الذکر عشرۂ مبشرہ پر ہے۔ 'سرکار کا دربار' سب سے پہلے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ جامعہ ملیہ اور محکمۂ تعلیمات سرکار عالی حیدرآباد دکن نے اسے اپنے تمام مدارس میں داخل نصاب کیا اور اسے خوب قبول عام حاصل ہوا۔ متعدد اکابر نے اس کی پذیرائی کی اور مصنف کو کلماتِ تحسین سے نوازا۔ مثلاً علامہ سید سلیمان ندوی (م۱۹۵۳ء) نے یہ تاثرات پیش کیے:

> ''سرکار کا دربار جس قلم نے سجایا ہے، جی چاہتا ہے یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی آبیاری کی تھی، کہ اس کو یہ سرسبزی نصیب ہوئی۔ مجھے توقع ہے کہ مسلمان بچے اس سے پوری طرح فیض یاب ہوں گے۔ یہ رسالہ نہ صرف ایک مذہبی سچی تاریخ کی حیثیت سے قابل قدر ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ اس میں بچوں کی نفسیات کو خاص کر پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے اور زبان اور طریقۂ ادا میں بھی اس حیثیت کو فراموش نہیں کیا گیا ہے''۔ [۷]

مولانا ابوالکلام آزاد (م۱۹۵۸ء) نے ان الفاظ میں مصنف کی ستائش کی:

> ''تعلیم اور عام مطالعہ کے لیے ضرورت تھی کہ آسان اور صاف زبان میں آں حضرت ﷺ اور صحابہ و اکابر اسلام کی سیرت پر چھوٹے چھوٹے رسالے سلیقہ اور صحت کے ساتھ لکھے جاتے۔ 'سرکار کا دربار' کے نام سے مولوی الیاس احمد صاحب مجیبی نے جو رسالہ لکھا ہے وہ اس غرض کے لیے نہایت مفید اور موزوں رسالہ ہے''۔ [۸]

یہ کتاب ۱۰۶ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف نے ابتدا میں عرب کے جغرافیہ اور تاریخ پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے خاندان، نام و نسب اور مکی و مدنی

زندگی کے حالات تاریخی ترتیب سے بیان کیے ہیں۔ آخر میں بیس صفحات میں آں حضرت ﷺ کے اخلاق و عادات اور دوسروں کے ساتھ معاملات کا تذکرہ کیا ہے اور بہ طور خاتمہ چالیس اکتالیس مختصر احادیثِ نبوی درج کی ہیں۔

(۲) آں حضرت ﷺ

(۳) آخری نبی

یہ دونوں کتابیں بھی جناب الیاس احمد مجیبی کے قلم سے ہیں۔ بچوں کے مشہور ادیب اور سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے مجیبی صاحب کے ان رسائل کو بچوں کے لیے 'پاکیزہ تحفے' اور 'نعمت' قرار دیا ہے: فرماتے ہیں:

> ''مجیبی صاحب ایک صاحبِ دل اور خوش عقیدہ نوجوان ہیں۔... خدا نے ان کو سلیقہ، خوش مذاقی، شیریں زبانی اور شگفتہ بیانی کا بھی امتیازِ خاص بخشا ہے۔ ان کے حرارت بخش اور پاکیزہ تحفے انھی خصوصیات کے حامل اور بچوں کے لیے تو خاص کر ایک نعمت ہیں ... یہ رسالے مدرسوں میں رائج ہونے کا پورا اور بجا حق رکھتے ہیں''۔[9]

(۴) **سرکارِ دوعالم:** مولانا محمد حسین حسّان ندوی جامعی سابق ایڈیٹر پیام تعلیم کی یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسے بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے علاوہ اسے میسور وغیرہ میں بھی نصاب میں شامل کیا گیا۔ تقسیم ہند سے قبل بھی اس کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوئے اور بعد میں بھی۔

اس کتاب کی ضخامت ۱۴۸ر صفحات ہے۔ مصنف نے ابتدا میں سرزمین عرب کے جغرافیہ، تاریخ وتمدن، خانۂ کعبہ کی تعمیر، قریش کے احوال اور عہد جاہلیت کی مذہبی حالت بیان کی ہے۔ پھر 'آخری نبی' کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کی ماقبل نبوت زندگی، 'نبوت' کے عنوان سے عہد مکی کے حالات، 'ہجرت' کے عنوان سے سفر ہجرتِ مدینہ کے احوال اور 'مدینے کی زندگی' کے زیرعنوان عہدِ مدنی کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ آخر میں ۳۴ر صفحات (ص ۱۱۵- ۱۴۸) میں اسوۂ حسنہ کے عنوان سے آپؐ کے اخلاق واوصاف کا بیان ہے۔

(۵) **رسول پاکؐ:** اس کتاب کے مصنف جناب عبدالواحد سندھی ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے دینی موضوعات پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، مثلاً اسلام کیسے شروع ہوا؟ قرآن پاک کیا ہے؟۔ سیرت کی یہ کتاب، جو ۸۰؍صفحات پر مشتمل ہے، اسے مصنف نے تین مرکزی عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ 'رسول پاک کون تھے؟' کے عنوان سے ہے۔ اس میں بہت اختصار کے ساتھ آپ کی سیرت بیان کی گئی ہے۔ دوسرے حصے کا عنوان ہے: 'رسول پاکؐ کیسے تھے؟ اس میں آپؐ کے اخلاق حسنہ کا بیان ہے۔ تیسرا حصہ 'رسول پاکؐ نے کیا سکھایا؟'، کے عنوان سے ہے۔ اس میں ارکانِ اسلام کا مختصر بیان ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے بہت آسان زبان استعمال کی ہے۔ اس کا اندازہ ان کے مختصر پیش لفظ سے لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''میں نے یہ کتاب تمھارے لیے لکھی ہے اور اسے تمھارے ہی نام سے منسوب کرتا ہوں۔ رسول پاکؐ سب سے زیادہ تم بچوں کو چاہتے تھے اور تم بھی اپنے پیارے رسولؐ سے ضرور محبت کرتے ہوگے۔ مگر میاں، پیارے رسول سے محبت کرنے کا مطلب بھی سمجھے؟ آؤ ہم بتائیں۔ ان کے پیارے اسلام کو دنیا میں پھیلاؤ۔ خدا تمھاری مدد کرے۔ آمین''۔[۱۰]

(۶) **ہمارے رسول:** اس کتاب کے مصنف خواجہ عبدالحئی فاروقی ہیں۔ خواجہ صاحب نے علی گڑھ اور دیوبند دونوں دانش گاہوں سے کسبِ فیض کیا تھا۔ مدت تک جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تفسیر کے استاد اور شعبۂ دینیات کے ناظم رہے۔ آخر میں پاکستان چلے گئے تھے۔ وہاں علماء کا ایک بورڈ بنا کر درس قرآن کے نام سے پورے قرآن مجید کی متعدد جلدوں میں تفسیر لکھی۔[۱۱] انھوں نے بچوں کے لیے اسلامیات کی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے ایک 'خلفائے اربعۂ ہے۔ 'ہمارے رسول' میں چھوٹے چھوٹے ذیلی عناوین کے تحت بہت آسان زبان میں اختصار کے ساتھ پیارے نبیﷺ کی سیرت بیان کی گئی ہے۔ ۷۲؍صفحات کی اس کتاب میں ۸۲؍ذیلی عناوین ہیں، جن میں سے آخری ۲۳؍صفحات میں آپؐ کے اخلاق و عادات اور اہم تعلیمات کا بیان ہے۔ اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا اندازہ

اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۵ء تک اس کے ۲۲/ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ یہ مشہور دینی درس گاہ جامعہ دار السلام عمرآباد کے ابتدائی درجہ میں شاملِ نصاب رہی ہے۔

(۷) **پیارے رسولؐ:** یہ کتاب سب سے پہلے جولائی ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسے محترمہ سلطانہ آصف فیضی نے تصنیف کیا ہے۔ لائق مصنفہ نے بچوں کی نفسیات اور ان کی ذہنی سطح کی بھرپور رعایت کرتے ہوئے بہت ہلکے پھلکے انداز میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کی ہے اور صرف ان پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے جن میں بچوں کو دل چسپی ہو اور وہ ان سے متاثر ہوں۔ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے ناشر نے لکھا ہے:

> ''یہ کتاب مسلمان بچوں، بچیوں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے، جسے پڑھ کر وہ اپنے کو پیارے رسولؐ سے بہت قریب محسوس کرنے لگیں گے۔ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس انداز سے کہ بات بچوں کے دل میں اترتی چلی جائے۔ حضور کی محبت و عظمت تو ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے، لیکن کتنے ہیں جو آپؐ کی شخصیت اور پیغام کو اچھی طرح سمجھتے ہیں؟ یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لایق مصنفہ نے سرکار دو عالم کو ایک کامل انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اس لیے معجزات کا ذکر کہیں نہیں کیا گیا اور نہ کوئی ایسا ذکر ہے جو قرینِ عقل نہ ہو۔ اس کتاب کی ساری باتیں بچہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ وہ حضور کو بہت قریب سے دیکھتا ہے اور آپ کی زندگی کے جو پہلو بھی پیش کیے گئے ہیں وہ بچے کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ اس طرز کی کتاب غالباً اس سے پہلے شائع نہیں کی گئی''۔[۱۲]

(۸) **رسول پاکؐ کے اخلاق:** اس کتاب کے مصنف جناب خلیل احمد جامعی ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے اسلامیات کی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ 'اللہ کے خلیل' نامی کتاب میں انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت بیان کی ہے۔ ان کی ایک دوسری کتاب 'اللہ کا گھر' کے نام سے ہے، جس میں خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

سیرت کی اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا بیان ہے۔

(ب) پروفیسر سید نواب علی کی کتاب 'ہمارے نبی'

پروفیسر سید نواب علی (۱۸۷۸۔ما بعد ۱۹۶۰ء) کی کتاب 'ہمارے نبی' کو اگر چہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے 'مکتبہ پیام تعلیم' نے شائع کیا تھا، لیکن کتاب اور صاحبِ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کا تذکرہ الگ سے کیا جا رہا ہے۔

جناب سید نواب علی رضوی کی ولادت لکھنو میں ہوئی۔ایم اے کرنے کے بعد دو سال انھوں نے ایم اے او کالج علی گڑھ میں بہ حیثیت استاد گزارے، پھر بڑودہ کالج گجرات کے پروفیسر مقرر ہوئے، جہاں ۲۶ ر سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔اس کے بعد ریاست جونا گڑھ کے بہاء الدین کالج کے پرنسپل اور وزیر تعلیمات واوقاف ہوگئے۔تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔

نواب علی صاحب نے اسلامیات میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ان میں معارج الدین، قصص الحق، شہیدِ حق اور دینِ حق کے علاوہ تاریخ صحفِ سماوی بہت اہمیت کی حامل ہے۔سیرتِ نبوی میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔'تذکرۃ المصطفیٰ' سیرت پر دس مقالات کا مجموعہ ہے۔اس کی اولین اشاعت ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء کی ہے۔دوسری مرتبہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔دوسری کتاب 'سیرۃ رسول اللہ ﷺ' ہے۔اس کی اشاعت سیرت بک ڈپو لاہور سے ہوئی ہے۔یہ دونوں کتابیں سیرت کے موضوع پر بڑی قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ان میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر اعتراضات کرنے والوں کا بھرپور رد کیا گیا ہے۔[۱۳]

سیرت کے موضوع پر تیسری کتاب 'ہمارے نبی' کے نام سے انھوں نے بچوں کے لیے تصنیف کی تھی۔

(ج) علامہ راشد الخیری کی 'آمنہ کا لال'

بیسوی صدی کے نصف اول میں بچوں کے لیے تالیف کی جانے والی کتبِ سیرت میں 'آمنہ کا لال' (لعل) کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔علامہ راشد الخیری کو عورتوں کی فلاح و بہبود

اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت سے بہت دل چسپی تھی۔ اس کے لیے انھوں نے کئی رسائل جاری کیے، جن میں ماہ نامہ 'عصمت' کو بڑی شہرت ملی۔ لڑکیوں کا ایک اسکول بھی قائم کیا۔ انھوں نے لڑکیوں کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے بہت سے اصلاحی ناول لکھے۔ ان میں انھوں نے متوسط مسلمان گھرانوں کی لڑکیوں اور عورتوں کی خستہ حالی کا ذکر ایسی دل سوزی کے ساتھ کیا ہے کہ 'مصوّر غم' کے لقب سے شہرت پائی۔[۱۴]

'آمنہ کا لال' کا سنۂ تصنیف ۱۹۲۹ء ہے۔ اس کا جو نسخہ راقم سطور کے پیش نظر رہا ہے وہ مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات دہلی سے شائع ہوا ہے اور چھوٹے سائز کے ۹۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اُس زمانے میں میلاد شریف کی محفلیں عام تھیں۔ راشد الخیری نے اس کتاب کو اس طرح تصنیف کیا ہے کہ عورتیں اور بچیاں بہ آسانی اسے ان محفلوں میں پڑھ کر سنا سکیں۔ چنانچہ کتاب کے اندرونی ٹائٹل پر کتاب کے نام کے ساتھ یہ بھی تحریر کیا گیا ہے: 'عورتوں کی مجالسِ میلاد شریف میں پڑھنے کی لاجواب کتاب'۔ کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے ایک طرف میلاد کی مجلسوں میں مبالغہ آمیز بیانات پر نقد کیا ہے اور دوسری طرف ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے بھی اتفاق نہیں کیا ہے جو ان مجلسوں کے انعقاد کو خلافِ شرع قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

> ''مولود شریف کی سیکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں، مگر میری رائے میں مسلمان لڑکیوں کے واسطے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو رطب ویابس سے بالکل پاک ہو... یہی وجہ ہے کہ تمام کتاب میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے یقین میں قیاس تأمّل کر سکے''[۱۵]

اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے خاندان، ولادت باسعادت، پرورش، جوانی، احوال قبل نبوت، وحی اور مکی دور کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے ہے۔ مدنی دور کا بیان بہت مختصر ہے۔ غزوات کا تو کچھ بھی ذکر نہیں۔ آخر میں ازواج مطہرات اور اخلاق نبوی کا مختصر بیان ہے۔

(د) علامہ سید سلیمان ندوی کی 'رحمت عالم'

برصغیر ہند میں سیرت نگاری کا ذکر ہو تو ناممکن ہے کہ اس میں علامہ سید سلیمان ندوی

(م۱۹۵۳ء) کا نام نامی نہ آئے۔ ان کی اصل شہرت اس اعتبار سے ہے کہ انھوں نے علامہ شبلی نعمانی (م۱۹۱۴ء) کی سیرۃ النبی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ان کی دو جلدوں پر پانچ جلدوں کا اضافہ کیا۔ متعدد پہلوؤں سے اس کتاب کو سیرت کے جدید لٹریچر میں اہم مقام حاصل ہے۔ سیرت نگاری کے میدان میں سید سلیمان ندوی کی شہرت ان کی دوسری کتاب 'خطبات مدراس' کی وجہ سے بھی ہے۔ یہ کتاب اصلاً ان آٹھ خطباتِ سیرت پر مشتمل ہے جو سید صاحب نے مدراس میں ۱۹۲۵ء میں دیے تھے۔ اس کتاب کی قدر و اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے ڈاکٹر محمود احمد غازی کا ایک جملہ نقل کر دینا کافی ہے کہ ''یہ چھوٹی سی کتاب بیسویں صدی کے ادبِ سیرت میں نہیں، بلکہ پورے ادبِ سیرت میں ایک بڑا منفرد مقام رکھتی ہے''۔[۱۶]

لیکن ان دو کتابوں کے علاوہ ان کے قلم سے سیرت کے موضوع پر بچوں کے لیے بھی ایک کتاب نکلی ہے، جو کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔اس کا نام ہے 'رحمت عالم'۔ سید صاحب کے سوانح نگاروں نے اس کی اہمیت و مقبولیت پر روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر خورشید نعمانی ردولوی نے لکھا ہے:

> ''رحمت عالم کو سیرت نبوی کا پاکٹ ایڈیشن کہا جا سکتا ہے...اس کتاب کے اجمال میں وہ تفصیل ملے گی جو سیرۃ النبی کی سات جلدوں پر حاوی ہے''۔[۱۷]

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (۱۹۱۳۔۱۹۸۷ء) فرماتے ہیں:

> ''بچوں اور عورتوں کے لیے بہت ہی سلیس اور آسان زبان میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت 'رحمت عالم' کے نام سے لکھی، جو ایسی مقبول ہوئی کہ معلوم نہیں اس کے اب تک کتنے ایڈیشن نکل چکے ہیں''۔[۱۸]

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اس کی مقبولیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''سیرت پر یہ مختصر کتاب بے حد مقبول ہوئی اور محض ایک ماہ میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، طلبہ کی افادیت کے پیش نظر مسلم یونی ورسٹی نے دینیات کے شعبے میں علامہ شبلی کے رسالہ بدء الاسلام کی جگہ اسے نصاب میں شامل کیا، اس وقت سے اب تک اس کے سیکڑوں ایڈیشن دارالمصنفین اور ملک کے بعض

دوسرے اداروں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ہندوستان و پاکستان کے بعض مدارس کے نصاب تعلیم میں بھی یہ کتاب داخل ہے''۔[۱۹]

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے لکھا ہے کہ ''ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا''۔[۲۰]

مصنف نے کتاب کے پیش لفظ میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''ایک زمانے سے دوستوں کا اصرار تھا کہ چھوٹے لڑکوں اور معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے لیے سیرت کی ایک ایسی چھوٹی سی کتاب لکھوں، جس کا پڑھنا اور سمجھنا سب کے لیے آسان ہو اور پھر اس میں کوئی اہم بات چھوٹنے نہ پائے۔ دوستوں کی اس فرمائش کی تعمیل میں یہ مختصر کتاب لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس میں عبارت کی سادگی، طرز ادا کی سہولت اور واقعات کے سلجھاؤ کا خاص خیال رکھا گیا ہے، تاکہ چھوٹی عمر کے بچے اور معمولی سمجھ کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور اسکولوں اور مدرسوں کے کورسوں میں رکھی جاسکے''۔[۲۱]

کتاب کے مشتملات کا اندازہ اس کے ذیلی عناوین سے کیا جاسکتا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: عرب کا جغرافیہ، خدا کے قاصد، پیغمبروں کا سلسلہ، حضرت ابراہیمؑ کی نسل، خانۂ کعبہ، آں حضرتؐ کا گھرانہ، آپ کا بچپن، کعبہ کی تعمیر، حضرت خدیجہؓ سے شادی، ازواج مطہرات، رسول ہونے تک ، وحی، اسلام، فرشتے، ہجرت، لڑائیوں کا حال، ارکان اسلام، وفات، اخلاق و عادات وغیرہ۔

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں بچوں کے لیے سیرت نگاری

بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ان کے لیے آسان زبان میں سیرت نبوی پر تصنیف و تالیف کا خاصا کام بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہوا ہے۔ برصغیر ہند کی تقسیم (اگست ۱۹۴۷ء) کے بعد ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک میں متعدد اصحاب علم کو یہ اہم،

ضروری اور نئے رجحان کا حامل کام انجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ہر ملک کے بعض سیرت نگاروں کی تالیفات دوسرے ملک میں شائع ہوئی ہیں۔اس سلسلے میں پاکستانی مصنفین میں حکیم محمد سعیدؒ کی کتاب 'نقوش سیرت' اور جناب طالب ہاشمی کی کتاب 'ہمارے رسول پاکؐ' کا نام لیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں ان کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور وہ بہت مقبول ہیں۔اسی طرح ہندوستانی مصنفین میں سے جناب مائل خیرآبادی کی کچھ کتابیں بعض پاکستانی اشاعتی اداروں سے شائع ہوئی ہیں۔پاکستان میں سیرت کے موضوع پر بچوں کے لیے اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہوں گی ،لیکن چوں کہ راقم سطور کی معلومات پاکستان کے بارے میں نہ ہونے کے برابر ہیں،اس لیےاس نے اپنے مطالعہ کو صرف ہندوستان تک محدود رکھا ہے اور وہ بھی صرف اردو زبان کی حد تک۔دیگر زبانوں میں سیرت نبوی پر بچوں کے لیے جو کام ہوا ہے وہ اس کی پہنچ سے باہر ہے۔

ہندوستان میں بچوں کے لیے سیرت نبوی اور اس کے متعلقات پر لکھی جانے والی کتابوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہاں اللہ کے رسولﷺ کی حیات طیبہ پر لکھی جانے والی مستقل کتابوں کے علاوہ آپؐ کی ازواج مطہرات، صاحب زادیوں، خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام پر بھی مستقل کتابیں لکھی گی ہیں۔ان کتابوں میں بھی رسول اللہﷺ کی ذات گرامی مرکزی کردار کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔لیکن موضوع کو محدود کرنے کے لیےاس مقالہ میں ان کتابوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔اسی طرح ہندوستان میں بچوں کے لیے اسلامیات پر جو درسی اور غیر درسی بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں بھی سیرت نبوی کا باب (Chapter) ضرور ہوتا ہے،لیکن اس مقالہ میں ان سے بھی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔اس میں صرف ان کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے جو مستقل طور سے سیرت نبوی کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔البتہ اگر ان کے مصنفین نے دیگر متعلقاتِ سیرت پر بھی کام کیا ہے تو ان کا تذکرہ ضمناً کردیا گیا ہے۔

(الف) جماعت اسلامی ہند کی خدمات

تقسیم ملک کے بعد جماعت اسلامی ہند نے بچوں کے لیے سیرت نگاری کے میدان میں اہم خدمات انجام دی ہیں اور اس کے وابستگان کی تصانیف سے دوسرے حلقوں

میں بھی بڑے پیمانے پر فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔اس لیے یہاں اس کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے اظہارِ خیال مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) نے اسلامی نظریۂ تعلیم کے مطابق تعلیم کا جو تفصیلی خاکہ پیش کیا تھا،اس کو سامنے رکھ کر ایک ابتدائی درس گاہ کے قیام کی ضرورت تقسیمِ ملک سے پہلے ہی محسوس کی جا رہی تھی۔تقسیم کے بعد جماعت اسلامی ہند کی تشکیل عمل میں آئی تو اس کی مجلسِ شوریٰ کے پہلے ہی اجلاس (منعقدہ ۲۷/تا ۲۹/اگست ۱۹۴۸ء) میں اس مسئلے پر غور ہوا اور طے پایا کہ اگلے سال کے شروع میں یہ درس گاہ قائم کر لی جائے۔چنانچہ یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے ملیح آباد (لکھنؤ) میں، جہاں جماعت کا مرکز تھا،' مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی ہند' کے نام سے یہ درس گاہ قائم ہو گئی۔پھر چند ماہ کے بعد جولائی ۱۹۴۹ء میں رام پور منتقل کر دی گئی اور جناب افضل حسین صاحب (۱۹۱۸-۱۹۹۰ء) کو،جو اس وقت ضلع جھانسی (یوپی) کے ٹیچرس ٹریننگ کالج میں وائس پرنسپل تھے، بلا کر درس گاہ کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔[۲۲]

جماعت اسلامی ہند نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس طرح کی درس گاہ چلانے کے لیے ایک الگ ہی نصاب کی ضرورت ہے،جس میں ابتداء ہی سے بچوں کو تمام علوم کی اس طرح تعلیم دی جائے کہ ان کا ذہن اسلامی رنگ میں رنگتا چلا جائے۔اس مسئلے پر جماعت نے اپنی مجلسِ شوریٰ (منعقدہ ۱۰-۱۱/جنوری ۱۹۵۱ء) میں تفصیل سے غور وخوض کیا۔نصاب کے مطابق درسیات اور معاون کتب کی تیاری کی تجویز منظور ہوئی اور طے پایا کہ اس کام کے لیے افضل حسین صاحب کو فارغ کر دیا جائے۔[۲۳]

جناب افضل حسین نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔انھوں نے اردو، ہندی، تاریخ، جغرافیہ، عام معلومات،سماجی علوم،اسلامیات اور ریاضی وغیرہ کی تقریباً ۶۵/ درسی کتابیں تیار کر دیں۔ درسیات کے علاوہ انھوں نے بچوں کے لیے منّی کہانیاں،آسان کہانیاں،اخلاقی کہانیاں، اور موتیوں کا ہار (لڑکیوں کے لیے کہانیاں) نامی کتابیں تیار کیں۔ان کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جہاں اسلامی نقطۂ نظر کو کلیدی حیثیت دی گئی ہے وہیں زبان و بیان اور مواد کو سلیس،آسان،سادہ اور دل چسپ بنا کر بچوں کے ذوق ورجحان اوران کی نفسیات کا

پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔تعلیم کی جدید تکنیک اور تدریج کے تقاضوں کو بھی ہر قدم پر ملحوظ رکھا گیاہے۔ان سب چیزوں نے ان درسیات کو دوسری مروّجہ درسی کتابوں میں کافی مقبول بنادیاہے اوران کتابوں کے بے شمار ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔۲۴؎

افضل حسین صاحب کے اس علمی کام کو قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ جماعت اسلامی ہند کے پہلے امیر مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”جناب افضل حسین صاحب نے درسیات کی تیاری کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی،جس کے نتیجے میں بہ حمد اللہ اس کا ایک ایسا وقیع ذخیرہ تیار ہو گیا جو اپنی گوناگوں دینی وفنی خصوصیات کی بنا پر اپنی مثال آپ ہے“۔۲۵؎

اور جماعت کے موجودہ امیر مشہور عالمِ دین مولانا سید جلال الدین عمری نے اسے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

”یہ اپنے انداز کی بالکل منفرد کوشش تھی۔یہ نصاب اپنی زبان، بیان، طلبہ کی نفسیات اوران کی تعلیمی ضروریات کی بہترین تکمیل کرتا تھا۔اپنی ان خصوصیات کی بنا پر یہ نصابِ تعلیم بہت مقبول ہوا۔درسیات پر اسلامی نقطۂ نظر سے کسی بھی فرد نے ہمارے اس دور میں اتنا بڑا کام نہیں کیا۔“۲۶؎

یوں تو افضل حسین صاحب نے بچوں کے لیے درسیات اور کہانیوں کی جو کتابیں لکھی ہیں ان میں بھی سیرت نبوی کے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں،لیکن انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت پر ایک مستقل کتاب ’پیارے رسول ﷺ‘ کے نام سے لکھی ہے۔اس میں انھوں نے بہت اختصار کے ساتھ آں حضرتؐ کے خاندان، پیدائش،بچپن،جوانی،نبوت،اور مکی و مدنی زندگی کے احوال بیان کیے ہیں۔آپ کے اخلاق اور معمولات کا تذکرہ کیا ہے۔ایک جگہ تفصیل سے بیان کیا ہے کہ آپؐ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔آخر میں ’پیارے رسول کی پیاری باتیں‘ کے عنوان سے چالیس مختصر احادیث ذکر کی ہیں۔یہ کتاب ۳۲رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں بیش تر ذیلی عناوین کے بعد بچوں کے لیے سوالات بھی درج کردیے گئے ہیں۔اس سے بچوں کے لیے مضامین کو ذہن نشین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

مرکزی درس گاہ کے لیے تیار کردہ نصابی کتب میں سے ایک کتاب سیرت 'ہادیٔ اعظم' ہے۔اس کے مصنف جناب ابوخالد ایم اے ہیں۔[27] کتاب چھوٹی تقطیع میں دو حصوں میں شائع ہوئی ہے۔ حصۂ اول میں رسول اللہ ﷺ کی 'پیدائش سے ہجرت' تک کا بیان ہے۔ یہ ۴۸؍صفحات پر مشتمل ہے۔حصۂ دوم میں 'ہجرت اور اس کے بعد' کا بیان ہے۔ اس کی ضخامت ۸۰؍صفحات ہے۔کتاب کے مختصر ترین پیش لفظ میں (جس کا عنوان 'بچوں سے' ہے) افضل حسین صاحب نے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''پیارے بچو! تمھارے ایک چچا میاں ابوخالد صاحب ہیں۔سیرتِ پاک پر ان کی کتاب تمھارے ہاتھ میں ہے۔کتاب ہم نے بھی پڑھی۔ بہت اچھی لگی۔خدا کرے تمھیں بھی پسند آئے اور حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب ہو''[28]

پیش لفظ پر تاریخ ۲۲؍ رمضان ۷۳ھ [مئی ۱۹۵۴ء] درج ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اوّلین اشاعت ۱۹۵۴ء کی ہے۔

مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی ہند کے ایک اور استاد جناب عرفان احمد خلیلی صفی پوری (م ۱۹۹۶ء) کو بچوں کے لیے سیرتِ نبوی پر کئی کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ عرفان خلیلی کا تعارف یوں تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر 'تفہیم القرآن' کے اشاریہ بہ عنوان 'موضوعاتِ قرآنی' اور اس کے بعض اہم مباحث کے انتخاب بہ عنوان 'نکاتِ قرآنی' کے مرتب کی حیثیت سے ہے، لیکن اصلاً وہ بچوں کے ادیب ہیں۔ان کی تصانیف: آبگینے، اچھے لوگ، پیاسی روحیں، اور بیت بازی بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے بہت مفید ہیں۔ انھوں نے 'پیارے نبی کے چار یار' (چار حصے) کے عنوان سے بہت آسان زبان میں خلفائے راشدین کی سیرت لکھی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تین کتابیں سیرتِ نبوی پر ہیں۔ایک کتاب 'کیا مسافر تھے' کے عنوان سے ہے، جس میں انھوں نے ادبی زبان اور افسانوی خاکوں کے انداز میں اسلامی تاریخ کے پندرہ سبق آموز اور عبرت آمیز واقعات بیان کیے ہیں۔ان میں سے سات واقعات عہدِ نبوی سے متعلق ہیں۔[29]

دوسری کتاب ’ہمارے حضورؐ‘ ہے۔ اسے بچوں کے لیے سادہ اور عام فہم زبان اور دل چسپ اسلوب میں اور بے جا طوالت سے پرہیز کرتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے مولانا سید احمد عروج قادری (م۱۹۸۶ء) نے لکھا ہے:

’’رفیق محترم جناب عرفان احمد خلیلی صفی پوری کی کتاب ’ہمارے حضورؐ‘ میں نے پوری پڑھی اور متاثر ہوا۔...بچوں کی کتابوں میں سیرتِ نبوی کے واقعات منتشر طور پر موجود ہیں، لیکن ضرورت تھی کہ ایسی کوئی کتاب ان کے لیے مرتب کر دی جائے جس میں نبی ﷺ کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ سامنے آ جائے۔ ’ہمارے حضورؐ‘ نے یہ ضرورت پوری کی ہے۔ زبان سادہ، بچوں کے لیے قابلِ فہم استعمال کی گئی ہے اور واقعات ’سیرت‘ کی مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں‘‘۔[۳۰]

عرفان خلیلی کی تیسری کتابِ سیرت ’آپ کیسے تھے؟‘ کے عنوان سے ہے۔ اس میں مصنف نے بڑا انوکھا انداز اختیار کیا ہے۔ اس میں آں حضرتؐ کے اخلاق وعادات اور روز مرّہ کے معمولات بہت اختصار کے ساتھ آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔ مصنف نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

’’یہ خواہش بہت دنوں سے تھی کہ اسوۂ حسنہ کا کوئی ایسا مجموعہ مرتب ہو جائے جس سے ہر کس وناکس فائدہ اٹھا سکے۔...ذہن میں ایک خیال ابھرا ’’کیوں نہ سیرت کے ان واقعات کو مرتب کر دوں جو ہماری روز مرّہ زندگی سے براہ راست تعلق رکھتے ہوں‘‘۔ اس خیال کے آتے ہی میری آنکھیں جگمگا اٹھیں، دل خوشی سے لب ریز ہو گیا، منھ مانگی مراد مل گئی۔ اسی بہانہ سے ایک بار پھر اپنے آقا کی خدمت کا موقع نصیب ہو گیا۔ دماغ آسمان پر اڑنے لگا۔ قلم نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ مختصر سا مجموعہ مرتب ہو گیا، جو حجم میں چھوٹا ضرور ہے، مگر ہے بہت قیمتی۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر عنوان ایک ہی صفحہ پر ختم ہو جاتا ہے اور زبان آسان ہے‘‘۔[۳۱]

کتاب کے مباحث کا اندازہ اس کے ذیلی عناوین سے بہ خوبی کیا جا سکتا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: آپ گفتگو کیسے کرتے تھے؟۔آپ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔آپ وعدے کے پکے تھے۔آپ بدزبانی سے پرہیز کرتے تھے۔آپ کو غیبت سے نفرت تھی۔آپ میٹھے بول بولتے تھے۔آپ مذاق بھی کرتے تھے۔آپ کس طرح کھاتے پیتے تھے؟۔آپ بہت شرمیلے تھے۔آپ بہت رحم دل تھے۔آپ سلام کرنے میں پہل کرتے۔آپ نفاست پسند تھے۔وغیرہ

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں بچوں کے لیے اسلامی ادب کی تخلیق کرنے والوں میں سے ایک نمایاں نام، بلکہ غالباً سب سے نمایاں نام جناب محمد اسحاق مائل خیرآبادی (۱۹۱۰ـ ۱۹۹۸ء) کا ہے۔انھوں نے درس و تدریس کی سرکاری ملازمت ترک کر کے جماعت اسلامی ہند سے وابستگی اختیار کی۔۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۰ء مولانا محمد عبدالحئ (م) کے مشہور ادارۂ الحسنات رام پور کے تحت مختلف رسائل: نور، الحسنات، ہادی، بتول کی ادارت کی۔پھر اس ادارہ سے الگ ہو کر ذاتی طور سے خواتین و طالبات کے لیے ’حجاب‘ کے نام سے ایک ماہ نامہ نکالنا شروع کیا۔بچوں کے اسلامی ادب پر ان کی کتابوں کی تعداد سو سے متجاوز ہے، جو ہندوستان میں مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، کریسنٹ پبلشنگ کمپنی نئی دہلی، مکتبہ الحسنات رام پور اور پاکستان میں اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، ادارۂ الحسنات لاہور اور ادارۂ بتول لاہور وغیرہ سے شائع ہوئی ہیں۔ہر کتاب کی کئی کئی اشاعتیں منظر عام پر آئی ہیں۔مائل خیرآبادی کی مجموعی خدمات پر ڈاکٹر توحید انصاری نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

> ’’اردو ادب میں جن ادیبوں نے بچوں اور خواتین یا طلبہ و طالبات کے لیے اسلامیات پر چھوٹی بڑی کتابیں مرتب یا تصنیف کی ہیں، ان میں موجودہ دور میں مائل خیرآبادی کا نام سرفہرست ہے۔اسلامیات پر مائل کی لکھی ہوئی کتابیں نہایت عام فہم اور آسان زبان و بیان میں ہیں، جنھیں ایک عام قاری یا کم پڑھے لکھے لوگ بہ آسانی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔...اسلامیات کے موضوع پر مائل کا امتیاز دو بنیادوں پر ہے۔پہلی چیز مقصد ہے اور دوسری مخاطبت۔...مقصد محض اصلاح حال اور اصلاحِ عقائد نہیں ہے، بلکہ ایک

نظامِ فکر کی ترسیل و تبلیغ ہے۔ اسلام کے چند احکام کی تشریح و تفصیل نہیں ہے، بلکہ اس کے بنیادی اور حقیقی تصور کو اجاگر کرنے کی کوشش ہے۔ مخاطبت کے تحت زبان و بیان کا معیار متعین ہوتا ہے۔ مائل کے مخاطبین بچے اور خواتین ہیں۔ لہٰذا وہ اسی کی مناسبت سے موضوع و مواد اور اسلوب کا تعین کرتے ہیں۔ بچوں اور خواتین کی سیرت سازی کے لیے انبیاء، صلحاء، صحابہ وصحابیات کی زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات و حالات نہایت عام فہم اور آسان زبان میں سمجھنے اور سمجھانے کے انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ ...مائل کے یہاں علم الکلام اور فلسفہ و منطق کی پیچیدگی کا انداز نہیں ہوتا اور نہ عالمانہ اور پر شکوہ انداز ہے، بلکہ تدریسی و تفہیمی انداز ہے۔ انبیاء، صحابۂ کرام وصحابیات و صلحاء کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات و حالات نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں'' ۔[۳۲]

مائل خیرآبادی نے انبیاء کرام کی سیرت پر بھی لکھا ہے، رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر بھی اور صحابہ وصحابیات کی پاکیزہ سیرتوں پر بھی ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کا ایک مستقل کتابچہ ہے۔ ان کی کتابوں: جاں باز ساتھی (دو حصے)، پیارے نبی کے پیارے ساتھی، بڑوں کا بچپن، پیارے خلیفہ، صحابہ وصحابیات (باب اول) میں صحابۂ کرام کی سیرتیں ہیں تو خدیجۃ الکبریٰؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ، خاتونِ جنت (حضرت فاطمہؓ)، چٹانیں، ہم ایسی بنیں، صحابہ وصحابیات (باب دوم) میں صحابیات کی ایمان افروز زندگی اور کارناموں کا بیان ہے۔ سیرتِ نبوی کے متفرق واقعات یوں تو ان کی دیگر کتابوں میں بھی ملتے ہیں، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت پر ان کی مستقل چار کتابیں ہیں:

(۱) 'نورِ محمدی' میں پیارے نبی ﷺ کے حالاتِ زندگی بچپن سے وفات تک نہایت آسان زبان اور تدریسی انداز میں لکھے گئے ہیں۔ اس کا اندازہ چند ذیلی عناوین سے کیا جا سکتا ہے: پیارا نام، گھرانہ اور وطن، پیدائش اور پرورش، بچپن، جوانی اور شادی، زید منھ بولے بیٹے، مکہ اور کعبہ، حضورؐ کا نبی ہونا، دین پھیلانے کا کام، پیارے نبی کو لالچ دینا، مسلمانوں کو ستانا،

ہجرت، بدر کی لڑائی، احد کی لڑائی، اسلامی حکومت، جنگ موتہ، وفات۔ یہ کتاب ۲۷؍صفحات پر مشتمل ہے اور اسے نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔

(۲) 'پیارے نبی ﷺ ایسے تھے' (۳۲؍صفحات) میں نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ اور آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے ذیلی عناوین یہ ہیں: حضورؐ کی غذا، صفائی اور ستھرائی، صبح سے شام تک، شام سے صبح تک، بات چیت، پیارا مذاق، آپؐ ہنس پڑے، خدا پر بھروسہ، خاطر داری، برابری کا برتاؤ، شرم وحیا، گھمنڈ نہ تھا، بہادری، آپؐ سچے تھے، امانت داری، وعدے کے سچے، برائی کے بدلے بھلائی، بچوں سے پیار، نرم دلی، معاف کردینے کی عادت، وغیرہ۔

(۳) 'پیشین گوئیاں' نامی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی پندرہ سبق آموز پیشین گوئیوں کو بہت دل چسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴) 'رسول کریم ﷺ' قدرے ضخیم کتاب ہے۔ پہلے اس کی اشاعت ماہ نامہ حجاب کے خاص نمبر (نومبر، دسمبر ۱۹۸۳ء) کی صورت میں ہوئی تھی۔ بعد میں نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی نئی دہلی سے کتابی صورت میں اشاعت پذیر ہوئی۔ یہ کتاب بڑے بچوں، نوجوانوں اور کم پڑھے لوگوں کے لیے ہے۔اس کی اہمیت یہ ہے کہ جو لوگ ضخیم اور عالمانہ انداز میں لکھی گئی سیرت کی کتابوں کو نہیں پڑھ سکتے وہ اس سے بہ آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کی دوسری اہمیت یہ ہے کہ اسے غیر مسلموں کے ذہن کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔

جماعت اسلامی ہند کے اشاعتی ادارہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے بچوں کے لیے ایک کتاب 'بزمِ پیغمبر ﷺ' بھی شائع کی گئی ہے۔اس کے مصنف مولانا مقبول احمد سیوہاروی ہیں۔ وہ بچوں کے معروف ادیب ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے متعدد کتابیں (مثلاً دو مسافر، اچھی کہانیاں) لکھی ہیں۔ 'بزمِ پیغمبر' میں انھوں نے آسان، عام فہم اور دل کش انداز میں زندگی کے مختلف معاملات کے تعلق سے آں حضرتؐ کے ارشادات جمع کر دیے ہیں۔ اس کتاب کی ضخامت ۱۴۲؍صفحات ہے۔

(ب) بچوں کے لیے سیرت نگاری اور حلقۂ دیو بند

حلقۂ دیو بند کے مصنفینِ سیرت برائے اطفال میں سے خواجہ عبدالحیٔ فاروقی کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ اس میدان کی دوسری اہم شخصیت قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (۱۹۱۰-۱۹۹۱ء) کی ہے۔۳۳؎ انھوں نے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم دیو بند سے دورۂ حدیث کیا۔ ۱۹۵۷ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ناظم دینیات کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان کی تصانیف: قاموس القرآن، بیان اللسان (عربی اردو ڈکشنری)، انتخاب صحاح ستہ اور شہیدِ کربلا کو علمی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل ہے۔ انھوں نے سیرتِ نبوی پر مختلف جہات سے کام کیا ہے۔ ان کی ایک تصنیف 'سیرت طیبہ' (۴۴۴ صفحات) کے نام سے ہے، جو یونی ورسٹی کی سطح کے طلبہ اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے لکھی گئی ہے۔ ایک دوسری تصنیف 'نبی عربی' (۱۶۴ صفحات) ہے، جو ہائی اسکول کے بچوں کی ضرورت پوری کرتی ہے۔ یہ اصلاً ان کی مشہور تصنیف 'تاریخِ ملت' (۳ جلدیں) کی پہلی جلد ہے۔ (دوسری جلد خلافت راشدہ پر اور تیسری جلد خلافتِ بنی امیہ پر ہے۔) ملک کے مشہور اشاعتی ادارہ 'ندوۃ المصنفین' دہلی سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہوئے ہیں۔ اسے مشہور عالمِ دین مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین کی خواہش پر تصنیف کیا گیا تھا۔ اس کتاب کی خصوصیات مصنف نے درج ذیل بیان کی ہیں:

''۱۔ سیرۃ طیبہ سے متعلق تمام اہم واقعات اختصار کو مدّ نظر رکھتے ہوئے بیان کر دیے گئے ہیں۔

۲۔ واقعات کے بیان میں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے، مگر ربط و تسلسل کا دامن بھی کسی صورت ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔

۳۔ جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں واقعات کے اسباب و علل سے بھی سہل انداز میں بحث کی گئی ہے۔

۴۔ زبان آسان و سلیس رکھی گئی ہے اور بیان میں سادگی و شگفتگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۵۔ تمام مضامین عربی کی بعض قدیم اور بیش تر جدید سیرت کی معتبر و مستند کتابوں

سے لیے گئے ہیں''۔[۳۴]

نصابی مقصد سے سیرت نبوی پر شائع ہونے والی ایک کتاب 'سیرت النبی محمد رسول اللہ ﷺ' کے نام سے ہے۔اس کے مصنف مولانا سید راحت ہاشمی فاضل دیوبند و سابق استاد سینیر سیکنڈری اسکول جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ہیں۔انھوں نے نویں سے بارہویں جماعت کے بچوں کے لیے دینیات کی ایک کتاب تیار کی تھی، جو 'اسلامی نصاب' کے نام سے شائع ہوئی۔ سیرت نبوی کی یہ کتاب اصلاً اسی کتاب کا دوسرا حصہ ہے۔(پہلا حصہ عقائد و عبادات پر اور تیسرا حصہ خلفائے راشدین پر ہے۔) کتاب کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی نے لکھا ہے:

''اسکولوں میں تمام مضامین کے ساتھ دینیات کا جتنا عنصر شامل کیا جاسکتا ہے، اس کے مطابق مفید اور معقول مواد مصنف نے فراہم کیا ہے۔ نصابی کتابوں میں تین باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے: اول یہ کہ مواد کا معیار اور اعتبار کم نہ ہو، دوم یہ کہ ابہام سے پاک ہو، اور سوم یہ کہ زبان و بیان سادہ اور سلیس ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ مصنف نے ان تینوں باتوں کا لحاظ رکھا ہے...مباحث میں وضاحت اور تسہیل ملتی ہے اور اندازِ بیان سادہ اور پرکشش ہے...ان مضامین سے نہ صرف کلاس کے طلبہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، بلکہ عام مسلمان بھی مستفید ہو سکتے ہیں''۔[۳۵]

کتاب کی ضخامت ۱۸۵ صفحات ہے۔ اسے فرید بک ڈپو دہلی نے شائع کیا ہے۔

(ج) حلقۂ ندوہ کی کتبِ سیرت برائے اطفال

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے فارغین نے بچوں کے لیے سیرت نبوی پر جو کتابیں تیار کی ہیں، ان میں سے مولانا محمد حسین حسان ندوی کی کتاب 'سرکارِ دو عالم' اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب 'رحمتِ عالم' کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ان کے علاوہ ایک مختصر سی کتاب مولانا مجیب اللہ ندوی (۱۹۱۸-۲۰۰۶ء) نے تصنیف کی ہے۔اس کا نام ہے 'بچوں کے لیے سیرت

نبویؐ۔ مولانا مجیب اللہ علامہ سید سلیمان ندوی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد انھوں نے بائیس سال (۱۹۴۴-۱۹۶۶ء) برصغیر کے مشہور علمی و تحقیقی ادارے 'دار المصنفین' اعظم گڑھ میں گزارے۔ ان کی تصانیف میں اہلِ کتاب صحابہ و تابعین، تبع تابعین حصۂ اول، فتاویٰ عالم گیری اور اس کے مؤلفین، خدمتِ حدیث میں خواتین کا حصہ، اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، اسلام میں قانونِ اجرت، اجتہاد اور تبدیلی احکام، فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل اور اسلامی فقہ علمی و دینی حلقوں میں مقبول ہیں۔[۳۶]

اس کتابچہ میں مولانا مجیب اللہ ندوی نے بہت اختصار کے ساتھ اور بہت آسان زبان میں واقعات سیرت بیان کیے ہیں۔ کتابچہ کی ضخامت ۳۶ رصفحات ہے۔

بچوں کے لیے تیار کی جانے والی کتب سیرت میں سے ایک اہم کتاب محترمہ امۃ اللہ عائشہ تسنیم صاحبہ کی 'ہمارے حضورؐ' ہے، جو مکتبہ اسلام لکھنو سے شائع ہوئی ہے۔ محترمہ مشہور مورخ اور ادیب مولانا سید عبد الحی حسنی (۱۸۶۹-۱۹۲۳ء) کی صاحب زادی اور مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (۱۹۱۳-۱۹۹۹ء) کی ہمشیرہ ہیں۔ امام نو وی (م ۶۷۶ھ/ ۱۲۷۷ء) شارح صحیح مسلم کی مقبول کتاب 'ریاض الصالحین' کا، 'زادِ سفر' کے نام سے ان کا کیا ہوا ترجمہ مع ضروری حواشی وتشریحی عنوانات علمی حلقوں میں مقبول ہے۔ وہ خواتین اور لڑکیوں کے ماہ نامہ 'رضوان' کی مدیرہ بھی تھیں۔[۳۷]

مولانا علی میاں نے بچوں کے لیے عربی زبان میں انبیاء کرام کی سیرت پر ایک سلسلۂ کتب 'قصص النبیین' کے نام سے تصنیف کیا تھا۔ اس کا پانچواں حصہ، جو اللہ کے آخری رسول ﷺ کی سیرت پر ہے، الگ سے بھی 'سیرۃ خاتم النبیین' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ تسنیم صاحبہ نے قصص النبیین کو سامنے رکھ کر اپنے الفاظ میں آسان اور سادہ زبان اور دل نشین اسلوب میں 'بچوں کی قصص الانبیاءؑ' تصنیف کی۔ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ (۱۸۹۲۔۱۹۷۷ء) نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''کتاب ترجمہ نہیں، ترجمہ سے بڑھ کر ہے۔ زبان کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ 'مشک آں است کہ خود ببوید'۔ جو لڑکے اور لڑکیاں اسے پڑھیں

گے وہ ساتھ ساتھ اردو بھی سیکھتے جائیں گے'' [۳۸]

اس کتاب کے ابتدائی چار اجزاء میں دیگر انبیاء کی سیرت بیان کی گئی ہے۔ پانچواں حصہ 'ہمارے حضورؐ' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے کتاب کی خوبیوں پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''تسنیم صاحبہ نے 'ہمارے حضورؐ' کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے وہ سیرت کے صحیح اور مستند واقعات پر مبنی ہے۔ زبان نہایت ہی شیریں ہے۔ واقعات کا انتخاب بہت اچھا ہے۔ کتاب موثر اور دل آویز ہے۔ یہ محض واقعات کی بے جان فہرست نہیں ہے، بلکہ اس میں دینی و اخلاقی تربیت کا سامان بھی ہے۔ ان کا قلم بچوں اور بچیوں کے لیے کتابیں تحریر کرنے میں مشّاق ہو گیا ہے۔ اس لیے کتاب اپنی زبان کے اعتبار سے بھی اور اپنے مضامین اور طرزِ بیان کے اعتبار سے بھی ان کی سطح سے بلند نہیں ہے۔ مضامین کو انھوں نے مختلف ہلکے پھلکے عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر مضمون یا واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کا پڑھنا اور یاد رکھنا کم سن طالب علموں کے لیے دشوار نہیں ہوگا۔'' [۳۹]

لائق مصنفہ نے کتاب کی ابتداء شہر مکہ کی ابتدائی تاریخ سے کی ہے، پھر عہدِ جاہلیت کی سماجی اور مذہبی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے خاندان، آپ کی ولادت، پرورش، ماقبل نبوت زندگی، اعلانِ نبوت، مکی زندگی، ہجرت اور مدنی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ موصوفہ چوں کہ شعری ذوق کی بھی حامل ہیں، اس لیے انھوں نے موضوع کی مناسبت سے جا بہ جا خواجہ الطاف حسین حالی اور دیگر شعراء کے اشعار بھی درج کیے ہیں۔ آخر میں آپؐ کے اخلاق و عادات کا بیان ہے۔ کتاب ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

(د) کوئز کے طرز پر لکھی جانے والی کتبِ سیرت

بچوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت سے مانوس اور قریب کرنے اور اس کی جزئی اور تفصیلی معلومات فراہم کرنے کے مقصد سے سیرتِ نبوی اور متعلقاتِ سیرت پر ایک نئے

انداز سے کام کیا گیا ہے۔اور وہ ہے سوال و جواب (Quiz) کی شکل میں کتابوں کی تالیف۔ چنانچہ سیرتِ نبوی کے علاوہ امہات المومنین، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام پر بھی بہت سی کتابیں کوئز کی شکل میں تیار کی گئی ہیں۔ پاکستانی سیرت نگار جناب علی اصغر چودھری کی کتاب 'حیاتِ رسول' ہندوستان میں بہت متداول ہے اور متعدد اشاعتی اداروں سے شائع ہوئی ہے۔ یہاں خاص سیرتِ نبوی پر تیار کی جانے والی چند کتابوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

ایک کتاب 'سیرۃ النبی کوئز' ہے، جسے فیروس ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے اشاعتی ادارہ 'فیروس پبلی کیشنز' نے شائع کیا ہے۔فاؤنڈیشن کی نگرانی میں گزشتہ ایک دہائی سے علاقہ کوکن کے اسکولوں میں عصری تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیےایک انوکھی اسکیم شروع کی گئی ہے۔ اس کے تحت مسلم منتظمہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں معلّمینِ دینیات فراہم کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی فاؤنڈیشن کی جانب سے پرائمری درجات کے لیے 'ابتدائی اسلامیات' (پانچ حصے) اور سیکنڈری درجات کے لیے'اسلامیات' (چھ حصے) کے نام سے سیریز بھی شائع کی گئی ہیں۔اس کے علاوہ ہر سال بچوں کے درمیان کوئز کے مقابلے بھی کرائے جاتے ہیں۔اس کے لیے فاؤنڈیشن نے کئی کتابیں شائع کی ہیں،مثلاً قرآن کوئز، حدیث کوئز،اخلاقیات کوئز، ارکانِ اسلام کوئز،انبیائے کرام کوئز،خلفائے راشدین کوئز، اور سیرۃ النبی کوئز۔موخر الذکر کتابچہ کا تعارف کراتے ہوئے فاؤنڈیشن کے چیرمین جناب عبدالغنی اطلس والا نے لکھا ہے:

> ''دشمنانِ اسلام خوب محسوس کر رہے ہیں کہ نئی نسل کو گم راہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سیرت نبوی کی تصویر بگاڑ دی جائے۔ چنانچہ وہ سازش کے تحت اس مہم پر لگے ہوئے ہیں۔ایسے میں سیرتِ نبوی کی صحیح تصویر سے نئی نسل کو آگاہ کرنا اور اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنا وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے۔اسی ضرورت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے سوال و جواب کے جدید اسلوب (کوئز) کی شکل میں 'سیرۃ النبی کوئز' کتابچہ تیار کیا گیا ہے۔سیرۃ النبی کا موضوع تو بہت وسیع ہے، لیکن ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے صرف

بنیادی اور لازمی گوشوں کا ہی احاطہ کیا گیا ہے۔ سمجھنے میں آسانی کے لیے پیارے نبیؐ کی مکی و مدنی زندگی کی تقسیم کو ملحوظ رکھا گیا ہے، البتہ عمومی باتوں کو متفرقات کے عنوان سے یکجا کر دیا گیا ہے''۔[۴۰]

کتابچہ کی ضخامت ۴۰ر صفحات ہے۔ یہ ۵۸۰ر سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔ اسے فاؤنڈیشن کے اساتذہ مولانا اختر سلطان اصلاحی، مولانا سید حسن کمال ندوی اور مولانا شفیع الرحمٰن عمری نے مرتب کیا ہے۔

دوسری کتاب 'سیرت نامہ' کے نام سے ہے۔ اس کے مصنف مولانا محمد یٰسین ذکی جامعۃ الفیصل بجنور (یوپی) کے استاد ہیں۔ یہ کتاب ملّت اکیڈمی بجنور نے شائع کی ہے۔ کتاب اور مرتب کا تعارف کراتے ہوئے اکیڈمی کے چیرمین مولانا سراج الدین ندوی نے لکھا ہے:

> ''سرکارِ دو عالم کی حیاتِ طیبہ کے ایک ایک پہلو اور گوشہ پر مفصّل کتابیں موجود ہیں، مگر مولانا محمد یٰسین ذکی صاحب کی یہ مختصر سی کتاب اس حیثیت سے منفرد ہے کہ اس میں سیرت رسول اللہ ﷺ کا جامع مگر مختصر تعارف سوال و جواب کے انداز میں کرایا گیا ہے۔ مولانا موصوف چوں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کا طویل اور عملی تجربہ رکھتے ہیں، انھیں بچوں کی نفسیات و جذبات کا گہرا شعور حاصل ہے، اس موضوع پر ان کا عمیق مطالعہ بھی ہے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب و تالیف، اسلوب و اندازِ بیان فطری طور پر بچوں کے مزاج اور افتادِ طبع کے مطابق ہے''۔[۴۱]

۶۴ر صفحات کی یہ کتاب ۳۱۶ر سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ مضامین کے ذیلی عناوین یہ ہیں: خاندان، پیدائش و پرورش، مکی زندگی اور نبوت، سفر معراج اور ہجرتِ مدینہ، اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلو، آخری وقت، غزواتِ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام، پاک بیویاں، اولاد۔ کتاب میں مدنی زندگی کا کوئی عنوان نہیں ہے۔ اس سے متعلق مختصر معلومات جا بہ جا مذکور ہیں۔

مختصر تجزیہ

راقم سطور کا احساس ہے کہ برصغیر میں بچوں کے لیے تالیف کی جانے والی کتبِ سیرت کا یہ جائزہ نامکمل ہے۔اس میں صرف چند ہی مؤلفین سیرت اور چند ہی کتابوں کا تذکرہ آسکا ہے، جن تک آسانی سے راقم کی رسائی ہوسکی ہے۔ ملک کے طول وعرض میں یقیناً اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہوں گی۔ یہ تو صرف اردو زبان کا معاملہ ہے۔ورنہ انگریزی، ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں میں ہونے والے کاموں کو بھی شامل کرلیا جائے تو اس موضوع کی وسعت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔اس کا احاطہ کرنے کے لیے بڑے پیانے پر 'لٹریچر سروے' کی ضرورت ہے۔

پھر یہ کہ راقم نے دست یاب کتبِ سیرت برائے اطفال کا جو تذکرہ کیا ہے وہ بڑا سرسری ہے۔اس سے ان کتابوں کی ماہیت، حجم اور مشتملات کا ہلکا سا اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان میں سے ہر کتاب کا بھرپور تجزیہ کیا جائے، اس کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے، بچوں کے لیے اس کی افادیت جانچی جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کتاب ادبِ اطفال کے معیار پر کس حد تک پوری اترتی ہے۔اس موضوع پر محققین کی توجہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

یہاں، مذکورہ کتابوں کے مطالعہ سے جو چند باتیں راقم سطور کے ذہن میں آتی ہیں انھیں نکات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱- ادبِ اطفال، ادب کا ایک مخصوص گوشہ ہے۔ بچوں کی ذہنی سطح پر اتر کر ان کے لیے کتاب تصنیف کرنا ایک دشوار کام ہے۔ یہ ہر مصنف کے بس کی بات نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستان میں بچوں کے اسلامی ادب پر قابل قدر کام ہوا ہے اور خاص طور سے ان کے لیے سیرتِ نبوی کے موضوع پر بھی بہت عمدہ کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔

۲- بچوں کے لیے کتبِ سیرت تالیف کرنے والے تمام مصنفین نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے بچوں کی نفسیات اوران کی ذہنی سطح کی رعایت کی ہے، زبان بہت آسان استعمال کی ہے اور اندازِ بیان بہت سادہ رکھا ہے۔راقم کا احساس ہے کہ ان کا یہ دعویٰ بڑی حد تک درست ہے لیکن ان میں سے بیش تر کتابیں نصف صدی قبل کی لکھی ہوئی ہیں۔اب بچوں کی اردو سے واقفیت اور بھی کم ہوئی ہے اور ان کا معیار اور بھی پست ہوا ہے۔اس لیے وقت کا

تقاضا ہے کہ زبان کو سہل تر کیا جائے۔

۳- کتبِ سیرت برائے اطفال کو دو زمروں (Categories) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کچھ کتابیں بہت چھوٹے بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں اور کچھ ہائی اسکول اور انٹر کے طلبہ اور نوعمروں کے لیے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کتابوں کے حجم، مشتملات اور اسلوب میں بھی فرق ہے۔

۴- بچوں کی رعایت سے مؤلفینِ سیرت نے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور اخلاق و عادات کے پہلو کو خوب نمایاں کیا ہے اور اس پر تفصیل سے لکھا ہے اور غزوات و سرایا کے بیان میں اختصار و اجمال سے کام لیا ہے۔ بعض مؤلفین نے تو غزوات کا بالکل تذکرہ نہیں کیا ہے، بعض نے صرف غزوات کے نام گنا دیے ہیں، بعض نے صرف غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور فتح مکہ کا تذکرہ کیا ہے۔ چند ہی مصنفین نے دیگر غزوات کا ذکر کیا ہے۔ یہ صحیح بھی ہے۔ عموماً کتبِ سیرت میں غزوات کا بیان اتنا مفصل ہو جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پوری مدنی زندگی پر حاوی دکھائی دیتا ہے۔ بچوں کے لیے تالیف کی جانے والی کتبِ سیرت میں ان کے مصنفین نے بچوں کے ذہنوں کو اس تاثر سے بچانے کی شعوری کوشش کی ہے۔

۵- مؤلفینِ سیرت نے بچوں کے لیے معانی و مفاہیم کی ترسیل کو اہمیت دی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسلامی اصطلاحات کی، برموقع اندرون عبارت ہی یا حاشیہ میں، تشریح ضروری سمجھی ہے۔ مثلاً:

حلیف: ''دو قبیلوں میں آپس میں دوستی اور معاہدہ ہو جائے تو یہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف کہلاتے ہیں''۔[۴۲]

مالِ غنیمت: ''لڑائی کے بعد ہاری ہوئی فوج کا مال اسباب 'مالِ غنیمت' کہلاتا ہے اور اسے لوٹنا لڑائی کے قانون کے مطابق جائز ہے''۔[۴۳]

ہجرت: ''اپنا ایمان بچانے کے لیے اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جانا، جہاں مسلمان اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، 'ہجرت' کہلاتا ہے''۔[۴۴]

فدیہ: ''لڑائی میں جو لوگ قید کیے جاتے ہیں ان کو کچھ رقم وصول کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی رقم کو 'فدیہ' کہا جاتا ہے''۔[۴۵]

۶- بچوں کی جو ذہنی سطح ہوتی ہے اس کی رعایت سے بعض باتوں کو مجمل اور مبہم

رکھنا ہی زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ اگر ان باتوں کو کھول دیا جائے تو بچے انتشارِ ذہنی کا شکار ہوں گے۔ مؤلفینِ سیرت برائے اطفال نے عموماً اس کی رعایت کی ہے۔ مثلاً عہدِ نبوی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحابی جنسی جذبات سے مغلوب ہو کر ماہ رمضان المبارک میں دن میں اپنی بیوی سے مباشرت کر بیٹھے۔ بعد میں ندامت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا۔ چھوٹے بچوں کو 'جنسی جذبہ' اور 'مباشرت' جیسی باتیں سمجھانا دشوار تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کو مائل خیر آبادی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ایک بار آپؐ کے ایک پیارے ساتھی گھبرائے ہوئے آپؐ کے پاس آئے۔
آپؐ نے حال پوچھا، بولے: ''مجھ سے بڑا گناہ ہو گیا، کیا کروں؟''۴۶

۷- بچوں کے لیے تالیف کی جانے والی کتبِ سیرت میں سب سے اہم اور قابلِ لحاظ پہلو یہ ہے کہ ان تک صحیح اور مستند معلومات پہنچائی جائیں۔ عموماً مؤلفین سیرت نے اس کا اہتمام کیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ان کے بیانات معیارِ صحت پر پورے نہیں اترتے۔ مثلاً جناب افضل حسین نے 'حلف الفضول' کے بارے میں لکھا ہے:

''آپؐ مکہ والوں کا ظلم وستم دیکھ کر کڑھتے، خرابیاں دوٗر کرنے کی فکر کرتے،
آپؐ نے نوجوانوں کو سمجھایا، سب نے مل کر انجمن بنائی''۔۴۷

یہ بیان پورے طور پر صحیح نہیں۔ رسول اللہ ﷺ حلف الفضول میں شریک ضرور تھے، لیکن انجمن کی تشکیل قریش کے دیگر سرکردہ لوگوں کی تحریک کا نتیجہ تھی، جن میں سے ایک آپؐ کے چچا جناب زبیر بن عبدالمطلب بھی تھے۔۴۸

اسی طرح مائل خیر آبادی نے لکھا ہے:

''ہبار بن اسود حضورؐ کا کٹر دشمن تھا۔ حضورؐ کی پیاری بیٹی حضرت زینبؓ مکے سے مدینے کو ہجرت کرنے لگیں تو ہبار دوڑا اور ان کو اونٹ سے گرا دیا۔
حضرت زینب کے اتنی چوٹ آئی کہ وہ زندہ نہ رہ سکیں''۔۴۹

اس اقتباس کا آخری بیان (کہ وہ زندہ نہ رہ سکیں) صحیح نہیں، اس لیے کہ سوانح نگاروں کے مطابق حضرت زینب کا انتقال ہجرت کے فوراً بعد نہیں، بلکہ ۸ھ میں ہوا تھا۔۵۰

حواشی ومراجع

۱۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ سیرت، اریب پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۵۸۵

۲۔ حوالۂ بالا، ص ۵۸۶

۳۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، فرید بک ڈپو دہلی، ۱۹۹۹ء، تقدمہ از سید سلیمان ندوی، ص ۷

۴۔ قاضی صاحب کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کیجیے مشہور سوانح نگار جناب محمد اسحاق بھٹّی کی کتاب 'قاضی محمد سلیمان منصور پوری'، ناشر: مکتبہ سلفیہ لاہور۔ ان کا مختصر تذکرہ بھٹّی صاحب نے اپنی دوسری کتاب 'برِّ صغیر کے اہلِ حدیث خدّامِ قرآن' میں بھی کیا ہے۔ ناشر: المنار پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص ۵۷۴۔۵۸۳

۵۔ مصنف کے بیان کے مطابق ۱۹۲۱ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن منظر عام پر آیا تھا۔ ملاحظہ کیجیے قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مہر نبوت، مکتبہ ترجمان دہلی، ۲۰۰۶ء، مقدمہ، ص ۹

۶۔ حوالہ بالا، مقدمہ، ص ۹

۷۔ الیاس احمد مجیبی، سرکار کا دربار، مکتبہ پیام تعلیم، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء، ص ۶ 'پیام' از علامہ سید سلیمان ندوی

۸۔ حوالہ بالا، ص ۷، بہ عنوان 'انعام'

۹۔ حوالہ سابق، ص ۸

۱۰۔ عبدالواحد سندھی، رسول پاکؐ، مکتبہ پیام تعلیم، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء، ص ۳، پیش لفظ بہ عنوان 'مسلمان بچوں کے نام'

۱۱۔ خواجہ صاحب کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ کیجیے: سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند، طبع دیوبند، جلد دوم، ص ۱۱۰-۱۱۱

۱۲۔ سلطانہ آصف فیضی، پیارے رسولؐ، مکتبہ پیام تعلیم، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۵-۶

۱۳۔ سید نواب علی کے حالات اور علمی کاموں کے لیے ملاحظہ کیجیے ان کی کتابیں: تاریخِ صحفِ سماوی، مکتبہ افکار کراچی، ۱۹۶۰ء، طبع دوم، ص ۲ (تعارف مصنف)، تذکرۃ المصطفیٰ، طبع علی گڑھ، ۱۹۱۵ء، کے آخر میں تقریظ وقطعاتِ تاریخ، سیرۃ رسول اللہ، سیرت بک ڈپو لاہور، ص ۱۵ (پیش لفظ)

۱۴۔ علامہ راشد الخیری کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے خوش حال زیدی کی کتاب راشد الخیری، طبع علی گڑھ

۱۵۔ راشد الخیری، آمنہ کا لال، مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات، دہلی، سنہ طبع درج نہیں، ص ۴

۱۶۔ محاضراتِ سیرت، ص ۶۷۴

۱۷۔ پروفیسر خورشید نعمانی ردولوی، دارالمصنفین کی تاریخی اور علمی خدمات، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، طبع اول، جلد اول، ص ۲۰۱-202

۱۸۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، مولانا سید سلیمان ندوی کی دینی و علمی خدمات پر ایک نظر، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۰۲ء،ص۳۳

۱۹۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، عظمت کے نشان، ادب کدہ، اعظم گڑھ، ۲۰۰۵ء،ص۶۹-۷۰، مضمون 'مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف کے تراجم'

۲۰۔ ماہ نامہ معارف، اعظم گڑھ،سلیمان نمبر، ۱۹۵۵ء،ص۱۸۵۔ مضمون 'حضرۃ الاستاذ کی علمی و دینی خدمات' از شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اپنے مضمون میں ہندی اور گجراتی زبانوں میں اس کے ترجمہ کا ذکر کیا ہے (حوالہ بالا) اس کے دو مزید ہندی ترجموں اور ایک انگریزی ترجمہ کی خبر مولانا عبدالرشید ندوی ایڈیٹر ماہ نامہ بانگ حرا لکھنؤ نے اپنے ایک مراسلہ میں دی ہے۔(ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ، اگست ۲۰۱۰ء،ص۱۵۲-۱۵۳) ہندی میں اس کا چوتھا ترجمہ ابھی حال میں خود ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے قلم سے دارالمصنفین سے شائع ہوا ہے۔

۲۱۔ سید سلیمان ندوی، رحمت عالم، مطبع دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ،اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء،ص۱(دیباچہ)

۲۲۔ محمد شفیع مونس،مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۵ء،ص۷۷،۱۱۳

۲۳۔ روداد مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند،طبع دہلی ،ص۴۷-۵۳

۲۴۔ شعبۂ تنظیم مرکز جماعت اسلامی ہند،جماعت اسلامی ہند کی تعلیمی خدمات ،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۵ء،ص۱۰-۱۵۔ جناب افضل حسین کے حالاتِ زندگی اور تعلیمی میدان میں ان کی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے: ماہ نامہ رفیق منزل کا خصوصی شمارہ بہ عنوان 'مولانا افضل حسین۔حیات و خدمات'، جلد۳،شمارہ۱۰،ستمبر۱۹۹۰ء

۲۵۔ مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی،تشکیل جماعت اسلامی ہند- کیوں اور کیسے؟، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ،۱۹۹۰ء،ص۱۰۱-۱۰۲

۲۶۔ ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی،جلد۱۲،شمارہ۱ ،جنوری ۱۹۹۰ء،ص۴ (مولانا افضل حسین پر مولانا سید جلال الدین عمری کا تاثراتی مضمون)

۲۷۔ جناب ابو خالد کے سوانحی حالات کا علم نہیں ہو سکا۔کتاب کے پیش لفظ میں جناب افضل حسین نے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں 'چچا میاں' لکھا ہے۔مرکزی درس گاہ کے استاد کو بچے چچا میاں کہا کرتے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرکزی درس گاہ میں استاد تھے۔

۲۸۔ ابو خالد،ہادیٔ اعظم ،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی،۲۰۰۴ء،ص۴

۲۹۔ ملاحظہ کیجیے اس کتاب پر تبصرہ بہ قلم مولانا سید احمد عروج قادری،ماہ نامہ زندگی رام پور، دسمبر۱۹۷۶ء،ص۵۶

۳۰۔ عرفان خلیلی، ہمارے حضور،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی،۲۰۱۰ء،ص۳ (پیش لفظ از سید احمد عروج قادری)

۳۱۔ عرفان خلیلی، آپ کیسے تھے؟،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی،۲۰۱۰ء،ص۵

۳۲۔ توحید انصاری،محمد اسحاق مائل خیرآبادی۔ حیات اور نثری کارنامے،مقالہ برائے پی،ایچ

،ڈی، زیرنگرانی ڈاکٹر احمد سجاد، شعبۂ اردو رانچی یونی ورسٹی، بہار۔ ۱۹۹۰ء (غیر مطبوعہ)

۳۳۔ قاضی صاحب کے حالاتِ زندگی کے لیے ملاحظہ کیجیے: سید محبوب رضوی، تاریخ دار العلوم دیو بند، ۲/۷ ۱۵۔۱۶۰، نور احمد میرٹھی، شخصیاتِ میرٹھ، ادارۂ فکر نو، کراچی، ۲۰۰۳ء

۳۴۔ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، نبی عربی (تاریخ ملت، جلد اول)، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۸۴ء، طبع دوم، ص ۶۔۷

۳۵۔ سید راحت ہاشمی، سیرت النبی محمد رسول اللہ (اسلامی نصاب حصہ دوم)، فرید بک ڈپو، ص IX (تقریظ از ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی)

۳۶۔ مولانا مجیب اللہ ندوی کی حیات وخدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتابیں: عظمت کے نشان، ادب کدہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۹۔۲۱۶، مطالعات ومشاہدات، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۰۔۱۹۵

۳۷۔ ملاحظہ کیجیے: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حیات عبدالحی، اردو مراٹھی پرکاشن، پونہ، ۱۹۸۸ء، ص ۲۳۹

۳۸۔ بہ حوالہ محمد رضوان القاسمی وخالد سیف اللہ رحمانی [مرتبین]، ادب اسلامی۔ایک مطالعہ، سہ ماہی صفا حیدرآباد، شمارہ ۲۴ تا ۲۶، ربیع الثانی تا ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ کی خصوصی پیش کش، ص ۲۹۱ (مضمون 'اردو میں بچوں کا اسلامی ادب از مولانا محمد شہاب الدین انیس سبیلی)

۳۹۔ امۃ اللہ تسنیم، ہمارے حضور (بچوں کی قصص الانبیاء، حصۂ پنجم)، مکتبہ اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۵، ص ۹

۴۰۔ اختر سلطان اصلاحی، سید حسن کمال ندوی، شفیع الرحمٰن عمری (مرتبین)، سیرۃ النبی کوئز، فیروس پبلی کیشنز ممبئی، ۲۰۰۸ء، ص ۲

۴۱۔ محمد یٰسین ذکی، سیرت نامہ، ملت اکیڈمی بجنور، ۲۰۱۰ء، ص ۴ (مقدمہ از مولانا سراج الدین ندوی)

۴۲۔ سرکار دو عالم (محمد حسین حسان ندوی) ص ۸۶

۴۳۔ حوالہ بالا، ص ۵۷ ۴۴۔ نور محمدی (مائل خیر آبادی)، ص ۵۹

۴۵۔ حوالہ بالا، ص ۶۶ ۴۶۔ پیارے نبی ﷺ ایسے تھے (مائل خیر آبادی) ص ۱۲

۴۷۔ پیارے رسول (افضل حسین)، ص ۱۱

۴۸۔ حلف الفضول کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم سطور کا مقالہ: 'حلف الفضول- عصری معنویت' شائع شدہ در سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۲۱، شمارہ ۲، اپریل-جون ۲۰۰۲ء، ص ۶۱-۸۲۔ یہ مقالہ راقم کی کتاب 'سیرت نبوی کے دریچوں سے' میں شامل ہے۔ ناشر: اریب پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

۴۹۔ پیارے نبی ﷺ ایسے تھے (مائل خیر آبادی)، ص ۳۱

۵۰۔ ابن الاثیر الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الشعب، ۱۳۰/۷؛ ابن حجر العسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، تحقیق خلیل مامون، دار المعرفۃ بیرت، ۲۰۰۴ء، ۱۵۱۶/۴

☆☆☆

بحث ونظر

اسلام میں فرد کی آزادی کی قانونی حیثیت

مولانا سید اسرار الحق سبیلی

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس میں فرد کی جائز خواہشات، ضروریات، نفسیات اور طبعی تقاضوں کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامی کا کوئی حکم بھی انسان کی فطری خواہش اور جذبۂ آزادی کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر کا راستہ بتا دیا اور ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کی آزادی دی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا. فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا. قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا. وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا۔ (الشمس: ۷-۱۰)

اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا) اس کو القاء کیا، یقیناً وہ مراد کو پہونچا جس نے اس جان کو پاک کرلیا، اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر کے اختیار کرنے اور شر سے بچے رہنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ خیر و شر کا نفع و نقصان بیان کردیا، تاکہ وہ اپنی مرضی سے خیر کو اختیار کرے اور شر سے بچے۔ اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ۔ (البلد: ۱۰)

اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں راستے (خیر و شر) بتلا دیے۔

آئندہ سطور میں واضح کیا جائے گا کہ وہ کون کون سی بنیادی آزادیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں اور اسلام نے اپنی ریاست میں رہنے والوں کو ان کی ضمانت دی ہے۔

(۱) مذہب وعقیدہ کی آزادی

اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات بالکل واضح ہیں اور یہ اسلام کی خوبی اور کشادہ قلبی کا واضح ثبوت ہے۔ اسلام نے مذہب وعقیدہ کے معاملہ میں کسی قسم کی تنگ نظری اور جبر کو پسند نہیں کیا ہے اور ہر شخص کو اپنی پسند کے مذہب پر باقی رہنے اور اسے اختیار کرنے کی آزادی دی ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (البقرۃ:۲۵۶)

دین میں کوئی زبردستی نہیں، (کیوں کہ) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِي الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِيْنَ۔ (یونس:۹۹)

اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، (جب یہ بات ہے) تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس سے وہ ایمان ہی لے آئیں۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ. لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ۔ (الغاشیۃ:۲۱-۲۲)

(تو آپ بھی ان کی فکر میں نہ پڑیے) بلکہ صرف نصیحت کردیا کیجیے، کیوں کہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔

(۲) عبادت کی آزادی

سویت یونین ممالک میں کمیونزم کے عروج کے زمانہ میں عبادت کی اجازت نہیں تھی اور گرجا گھر وغیرہ بند کردیے گئے تھے۔ اسلام نے تمام مذاہب کے ماننے والوں کے لیے عبادت کی آزادی دی ہے اور عبادت گاہوں اور عبادت میں مصروف لوگوں سے تعرض کرنے سے خاص طور پر منع کیا ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ (م۵۸۲ھ) لکھتے ہیں:

وکذلک العجوز التی لایرجی ولدھا، وکذلک الرھبان وأصحاب الصوامع

ایسی بوڑھی جس سے اولاد ہونے کی امید نہ ہو، اسی طرح راہب حضرات، اور اصحاب دَیر

إذا كانوا حضوراً لا يلحقون، وإن لم يقدر المسلمون على حمل هولاء ونقلهم إلى دارالاسلام لا يحل قتلهم ويتركون في دارالحرب، لأن الشرع نهى عن قتلهم۔[1]

جب جنگ میں شروع سے حاضر ہوں، اور مسلمان ان کو دارالاسلام منتقل کرنے پر قادر نہ ہوں تو ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا، ان کو دارالحرب میں چھوڑ دیا جائے گا، کیوں کہ شریعت نے ان کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔

آگے وہ ذمیوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما الكنائس والبيع القديمة فلا يتعرض لها، ولا يهدم شئ منها ... ولو انهدمت كنيسة فلهم أن يبنوها كما كانت، لأن لهذا البناء حكم البقاء، ولهم أن يستبقوها، فلهم أن يبنوها۔[2]

بہرحال قدیم کنائس اور بیع (یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہیں) سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کا کوئی حصہ منہدم کیا جائے گا۔ اگر وہ منہدم ہوجائیں تو ان کو پہلے کی طرح بنانے کا حق ہوگا، کیوں کہ یہ تعمیر بقا کے حکم میں ہے اور ان کو باقی رکھنے کا حق ہے، لہٰذا ان کی تعمیر کا بھی حق ہوگا۔

(۳) علم حاصل کرنے کی آزادی

اسلام میں ہر فرد کو علم نافع حاصل کرنے کی آزادی ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے اور غیر مسلموں کو مسلمانوں سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسلام نے علم کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں برتی ہے۔ یہ تنگی زمانۂ قدیم میں ہندومت اور کلیسائی نظام میں پائی جاتی تھی اور آج کارپوریٹ کلچر نے غریبوں کے لیے اعلیٰ علیم کے دروازے عملاً بند کردیے ہیں۔ اسلام نے علم کے حصول کو آسان اور سستا بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں آیات و احادیث اور اسلامی تاریخ شاہدِ عدل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ

اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجیے، تاکہ وہ کلام

مَأۡمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُونَ۔ (التوبۃ:٦)

الٰہی سن لے، پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔ یہ (حکم) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

صحابی رسول حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

أمرني رسول الله ﷺ أن أتعلم السريانية۔[۳]

مجھے رسول اللہ ﷺ نے سُریانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت علیؓ کا قول ہے:

العلم ضآلة المؤمن فخذ ولو من المشركين۔[۴]

علم مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے، اسے حاصل کرو، اگرچہ مشرکین سے حاصل ہو۔

ڈاکٹر صباح الدین عبدالرحمٰنؒ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی و علمی عروج کے زمانہ میں یونان، روم اور یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے اور بغداد، قرطبہ، غرناطہ اور قاہرہ علمی مراکز تھے۔ اہلِ یورپ یہاں کی درس گاہوں میں تعلیم پاتے تھے۔ پوپ سادس نے اپنی تعلیم قرطبہ کی درس گاہ میں پائی تھی۔[۵]

(۴) تجارت و روزگار کی آزادی

اسلامی مملکت میں نہ صرف ذمی باشندوں کو بلکہ دارالاسلام سے باہر رہنے والے غیر مسلموں کو بھی اجازت لے کر دارالاسلام میں تجارت و روزگار کی آزادی ہے۔ اس دوران ان کی جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔[٦]

(۵) کھانے پینے اور خرید و فروخت کی آزادی

اسلام نے کھانے پینے کے سلسلہ میں آزادی دی ہے۔ ہر شخص اپنے مذہب کے مطابق اشیاءِ خورد و نوش کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجۡرِمُونَ۔ (المرسلات:۴٦)

تم (دنیا میں) تھوڑے دن کھالو اور مزے کرلو، بے شک تم مجرم ہو۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

ویتـرکـون أن یسـکـنـوا فـی امصـار المسلمین یبیعون ویشترون۔[۷]

ذمیوں کو آزادی دی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کے شہروں میں رہائش اختیار کریں اور خرید و فروخت کریں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ولا یُـمنعون من إظهار شیئ مما ذکرنا مـن بیـع الـخـمـر والخنزیر والصلیب، وضـرب الـنـاقـوس فی قریة أو موضع لیـس مـن أمصار المسلمین، ولو کان فیه عدد کثیر من أهل الاسلام۔[۸]

گاؤں میں یا ایسی جگہ جو مسلمانوں کے بڑے شہروں میں سے نہ ہو، وہاں ان کو شراب، خنزیر اور صلیب کی خرید و فروخت اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا، اگرچہ وہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد رہتی ہو۔

بلکہ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے:

مـرّ رجـل مـن أهـل الذمة بخمر له فی سـفـیـنـة فـی مثل دجلة أو الفرات، فمرّ بـذلـک فی وسط بغداد، أو مدائن، أو واسط لایمنع من ذلک، وکذلک لو أراد الـمـرور بـالـخـمـر فی طـریـق الأمـصـار، ولا مـمـرّ لهم غیر ذلک، فـإنهم لایُمنعون عنه، و ینبغی للإمام أن یبـعـث مـعـهم أمینا حتی لا یتعرّض أحد مـن الـمسـلمین لهم، وحتی لا یدخلوا ذلک فـی مسـاکـن الـمسـلمـین المتهمین بشرب ذلک۔[۹]

کوئی ذمی دریائے دجلہ یا فرات میں کشتی میں شراب رکھ کر لے جائے اور بغداد، مدائن یا واسط شہر کے درمیان سے گزرے، تو اس کو نہیں روکا جائے گا۔ اسی طرح اگر شراب لے کر بڑے شہروں سے گزرنا چاہے اور ان کے لیے کوئی دوسری گزرگاہ نہ ہو، تو ان کو نہیں روکا جائے گا، اور بہتر ہے کہ امام ان کے ساتھ ایک امانت دار شخص کو کر دے، تاکہ کوئی مسلمان ان کو نہ چھیڑے، اور وہ بھی ان مسلمانوں کے گھروں میں شراب نہ لے جاسکیں جو اس کے پینے کے سلسلہ میں متہم ہوں۔

(۶) رہنے سہنے کی آزادی

اسلامی مملکت میں غیر مسلم ذمیوں کو آزادی کے ساتھ رہنے سہنے کا حق حاصل ہے۔

چناں چہ علامہ ابن عابدین شامیؒ (م۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

...فاشتری بھا اھل الذمة دوراً وسکنوا مع المسلمین لم یمنعوا من ذلک، فإنا قبلنا منھم عقد الذمة ۔[۱۰]

اہل ذمہ دارالاسلام میں مکانات خرید کر مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگیں، تو انھیں اس سے نہیں روکا جائے گا، کیوں کہ ہم نے ان سے عہدِ ذمہ قبول کیا ہے۔

اور علامہ حصکفیؒ (م۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

وإذا تکاری أھل الذمة دورا فیما بین المسلمین یسکنوا فیھا فی المصر جاز۔[۱۱]

اگر اہل ذمہ مسلمانوں کے درمیان شہر میں رہائش کے لیے مکانات کرایہ پر لیں، تو یہ جائز ہے۔

اسلامی ریاست میں ذمیوں کی جان و مال اسی طرح محفوظ رہتے ہیں جس طرح مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رہتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ (م۵۹۳ھ) صراحت کرتے ہیں:

ویقتل الحرّ بالحرّ والحرّ بالعبد والمسلم بالذمی۔[۱۲]

آزاد کو آزاد کے بدلہ، آزاد کو غلام کے بدلہ اور مسلم کو ذمی کے بدلہ قتل کیا جائے گا۔

(۷) آمد و رفت کی آزادی

اسلامی ریاست اپنے تمام شہریوں کو گھومنے پھرنے کی آزادی دینے کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ سِیْرُوا فِیْ الْأَرْضِ فَانظُرُوا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِن قَبْلُ۔ (الروم: ۴۲)

آپ فرما دیجیے کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گزرے، ان کا کیا انجام ہوا؟۔

لاَ یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُواْ فِیْ الْبِلاَدِ. مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ۔ (آل عمران: ۱۹۶-۱۹۷)

تجھ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے، یہ چند روزہ بہار ہے، پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

(۸) ذاتی معاملہ کی آزادی

فطری طور پر ہر شخص اپنے خانگی معاملہ میں آزادی چاہتا ہے اور اس میں دخل اندازی کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو اس کے ذاتی معاملہ میں آزادی دی ہے۔ قرآن میں کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے اور جاسوسی اور غیبت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا۔ (النور: ۲۷)

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو۔

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً۔ (الحجرات: ۱۲)

اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔

فقہاء نے ذمیوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وفی التجرید : ولا ينبغی للمسلمین أن ینزلوا علیهم فی منزلهم، ولا یأخذوا شیئا من دورهم وأراضیهم إلا بتملیک من قبلهم، کذا فی التتارخانية۔[۱۳]

'تجرید' میں ہے: مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ ذمیوں کے گھروں میں قیام کریں اور ان کی طرف سے بغیر مالک بنائے ان کے گھروں اور زمینوں میں سے کچھ حاصل کریں، جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔

(۹) اظہارِ حق کی آزادی

فرد کی آزادی میں ایک اہم چیز فکر و خیال اور حق بات کے اظہار کی آزادی ہے، لیکن آج اسی آزادی کا غلط استعمال کرکے اسلام، پیغمبرِ اسلامؐ اور مسلمانوں کے خلاف بہتان تراشی کی جارہی ہے۔ اسلام نے جائز حدود کے اندر انسانوں کو یہ آزادی عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ۔ (الاحزاب: ۵۳)

اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا ہے۔

حدیث میں ہے:

أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر۔۱۴	ظالم بادشاہ کے سامنے حق و انصاف کی بات کرنا افضل درجہ کا جہاد ہے۔

ایک روایت میں حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں پر بیعت کی۔ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی:

ان نقول بالحق أينما كنا، لا نخاف في الله لومة لائم۔۱۵	ہم جہاں بھی ہوں، حق بات کہیں گے، اللہ کی بات کہنے میں ہم ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كلا! والله لتامرنّ بالمعروف ولتنهونّ عن المنكر ولتاخذنّ على يدى الظالم ولتاطرنّه على الحق إطراً و لتقصرنّه على الحق قصراً، أو ليضربنّ الله بقلوب بعضكم على بعض، ثم ليلعنّكم كما لعنهم۔۱۶	خبردا! اللہ کی قسم، تم ضرور بھلائی کا حکم دو، برائیوں سے روکو، ظالم کے دونوں ہاتھ پکڑ لو، اس کو حق کی طرف موڑ دو، اور اس کو حق کی طرف لوٹا دو، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو خلط ملط کر دے گا، پھر تم پر لعنت کرے گا، جیسا کہ اس نے تم سے پہلے کے لوگوں پر لعنت کی ہے۔

اسلام میں اظہارِ خیال کی آزادی کی بہترین مثال حضرت عمرؓ اور ایک بڑھیا کا مشہور واقعہ ہے۔حضرت عمرؓ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے لوگوں کو مہر کم باندھنے کی تلقین کر رہے تھے۔اس پر مجمع میں سے ایک بڑھیا اٹھی اور اس نے امیر المومنین کو ٹوکا۔اس نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: ''وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْئاً''۔(النساء:۲۰) (اگر تم نے بیوی کو ڈھیر سا مال دے دیا ہے تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو)۔اور کہا کہ جب اللہ نے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے تو آپ حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے اپنی بات واپس لے لی اور فرمایا: ''ایک عورت نے صحیح بات کہی اور مرد نے غلطی کی''۔۱۷

البتہ اظہارِ خیال کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو گالی دی جائے، دوسرے مذہب والوں پر طعن و تشنیع کی جائے، دل آزار مضامین اور کارٹون شائع کیے جائیں۔ یہ اظہارِ خیال کی آزادی

نہیں ہے، بلکہ گالی گلوچ، دل آزادی اور جہالت کی آزادی ہے، جو یقیناً مہذب معاشرہ میں نا قابلِ قبول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۔ (الانعام: ۱۰۸)

اور تم ان کو گالی نہ دو، جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہیں، (کیوں کہ) پھر وہ جہالت میں حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا علم مرغوب بنا رکھا ہے۔

اسلام نے فرد کو جو آزادی دی ہے اس کی قانونی حیثیت کے بعض پہلو سطور بالا میں پیش کیے گئے ہیں۔ مزید تفصیلات سے یہاں تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے لیے فقہ، اسلامی قانون اور حقوق کے موضوع پر مبسوط تصانیف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

مدیر محترم مولانا سید جلال الدین عمری نے انسانی حقوق کے موضوع پر متعدد پہلوؤں سے کام کیا ہے۔ اپنی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' میں انھوں نے اس سے بحث کی ہے کہ ایک فرد کو، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اسلامی ریاست میں کیا حقوق حاصل رہتے ہیں۔ دوسری کتاب 'اسلام- انسانی حقوق کا پاسبان' میں اس پہلو کو ابھارا ہے کہ اسلام نے ہر حال میں انسانی حقوق کی حفاظت کی ہے اور ہر فرد کو ظلم و تعدّی سے بچایا ہے۔ ان کی بعض اور تصانیف، مثلاً 'کم زور اور مظلوم اسلام کے سایے میں' اور 'اسلام اور انسانی حقوق' وغیرہ میں اس موضوع پر قیمتی بحثیں ملتی ہیں۔ (رضی الاسلام)

حواشی و مراجع

ا۔ بدائع الصنائع، ۶/ ۶۵

۲۔ ایضاً، ۶/ ۸۴

۳۔ اخرجہ البخاری فی الأحکام تعلیقاً وأبوداؤد فی العلم

۴۔ التراتیب الاداریۃ للکتانی، ۲/ ۳۴۸

۵۔ مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب، ص ۷۲-۷۳

۶۔ ملاحظہ کیجیے ہدایہ، ۲/ ۵۸۵ - ۵۸۷ ، فتاوی عالم گیری، ۲/ ۲۳۴ - ۲۳۶

۷۔ بدائع الصنائع، ۶/ ۸۳

۸۔ ایضاً

۹۔ الفتاویٰ الہندیۃ، ۲/ ۲۵۱

۱۰۔ ردالمحتار، ۶/ ۲۵۵

۱۱۔ الدرالمختار، ۶/ ۲۵۵

۱۲۔ الہدایہ، ۴/ ۵۶۲

۱۳۔ الفتاویٰ الہندیۃ، ۲/ ۲۵۱

۱۴۔ سنن ابی داؤد: ۴۳۴۴

۱۵۔ بخاری: ۷۱۹۹، مسلم: ۱۷۰۹

۱۶۔ سنن ابوداؤد: ۴۳۳۶، ۴۳۳۷

۱۷۔ تفسیر ابن کثیر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، ۲۰۰۰ء، ص ۴۵۶

☆☆☆

اسلام اور مشکلاتِ حیات

از

مولانا سید جلال الدین عمری

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملّی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟ امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ مرض اور مشکلاتِ حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟ مرض کی شدّت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جاسکتی؟ یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالات کے جوابات فراہم کرتی ہے۔ مؤثر اندازِ بیان، دل نشیں بحث اور علمی اسلوب

آفسیٹ کی حسین طباعت، خوبصورت سرورق، صفحات: ۸۸ قیمت=/ ۸روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ - ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئ دہلی - ۲۵

زوجین کے درمیان منافرت کی صورت میں قاضی اور حکم کے اختیارات

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

نکاح ایک پاکیزہ اور پائیدار بندھن ہے۔اس کی بنیاد باہمی الفت ومحبت اورسکون وطمانینت پر ہے۔ (الروم: ۱۱) اس رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور بعض اختلافات اور ناپسندیدگی کو انگیز کرنا چاہیے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً۔ (النساء:۱۹)	اور عورتوں کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ گذر بسر کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے۔

اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یفرک مؤمن مومنة ان کرہ منها خلقاً رضی منها خُلُقاً آخر [۱]	کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے جدائی اختیار نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہوگی، تو کچھ چیزیں پسندیدہ بھی ہوں گی۔

نیز آپ ؐ نے فرمایا:

ایما امرء ة سألت زوجها طلاقاً من غیر بأس فحرام علیها رائحة الجنة [۲]	جو عورت بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس کے لیے جنت کی خوشبو حرام ہے۔

لیکن کبھی محبت کے اس رشتے میں تلخی آ جاتی ہے، الفت اور چاہت کی جگہ دل میں نفرت بیٹھ جاتی ہے اور اصلاحِ حال کی تمام کوششیں ناکام ہوجاتی ہیں۔ ایسی صورت میں ایک

ناخوش گوار ضرورت کے تحت جدائی کی اجازت دی جاتی ہے۔ اگر شوہر اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ طلاق دے کر خوش اسلوبی کے ساتھ اس رشتہ کو ختم کردے اور اگر عورت محسوس کرتی ہے کہ اب اس کے لیے اس رشتہ کے تقاضوں پر عمل کرنا دشوار ہے تو وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے، جسے شرعی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے۔ طلاق دینے کی شکل میں مرد مہر کی رقم کا نقصان گوارا کرتا ہے اور خلع لینے کی صورت میں عورت اس رقم سے محرومی برداشت کرتی ہے۔

خلع کی تعریف

قرآن حکیم میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے 'لباس' قرار دیا گیا ہے۔ نباہ نہ ہونے کی صورت میں جدائی ایک طرح سے اس لباس کو اتار دینا ہے۔ اس لیے اس کے لیے ایک لفظ 'خلع' بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اتار دینا، کھینچ لینا۔ اصطلاحی اعتبار سے خلع کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

فراق الرجل زوجته علی عوض یحصل له ۔[۳]	کسی شخص کا اپنی بیوی سے کچھ عوض لے کر اسے چھوڑ دینا۔

علامہ ابن نجیمؒ نے اس کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

ازالة ملک النکاح المتوقّفة علی قبولها بلفظ الخلع اوما فی معناه ۔[۴]	خلع یا اس جیسے کسی لفظ کے ذریعہ ملکیتِ نکاح کو اس طور پر ختم کرنا کہ وہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہو۔

خلع میں قاضی کے اختیارات

اگر شوہر یہ محسوس کرتا ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کے تعلقات ایسے مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں کہ بظاہر ایک ساتھ رہنے کی کوئی شکل نہیں ہے تو اس کے لیے طلاق کی اجازت ہے، اور اگر یہی چیز بیوی محسوس کرتی ہے کہ اس رشتہ کو باقی رکھنے کی صورت میں اس پر شوہر کے جو حقوق ہیں ان میں کوتاہی ہوگی اور اس کے لیے نباہ کرنا دشوار ہے تو ایسی صورت میں اسے خلع کا مطالبہ کرنے کا حق ہے اور شوہر کے لیے مناسب ہے کہ وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائے اور اس

کے مطالبہ پر اسے خلع دے دے۔ خلع اصلاً باہمی رضا مندی کا معاملہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ یَحِلُّ لَکُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَیْتُمُوهُنَّ شَیْئاً إِلاَّ أَن یَخَافَا أَلاَّ یُقِیمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ یُقِیمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْکَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا۔

(البقرۃ:۲۲۹)

اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی عورتوں کو جو کچھ دے چکے ہو اسے واپس لو، مگر یہ کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے متعین کردہ ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کے ضابطوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اس مال کے سلسلہ میں جو عورت بطور فدیہ دے۔ یہ سب اللہ کے مقرر کردہ ضابطے ہیں، ان سے باہر نہ نکلو۔

مہر وغیرہ دینے کے بعد اسے واپس لینا مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس لیے اسے خیال آ سکتا تھا کہ خلع کی صورت میں بھی اسے واپس لینا صحیح نہ ہو۔ اسی طرح عورت سوچ سکتی تھی کہ پیسہ دے کر چھٹکارا حاصل کرنا شاید باعثِ گناہ ہو۔ اس خیال کی تردید کے لیے کہا گیا کہ اس صورت میں بطور فدیہ عورت کے لیے کچھ دینے اور مرد کے لیے اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر شوہر خلع کے مطالبہ کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے اور معاملہ قاضی کی عدالت تک آ پہنچے تو وہ پہلے شوہر کو بلا کر اس سے خلع کے لیے کہے۔ اگر اس کے کہنے کے باوجود بھی وہ تیار نہ ہو تو قاضی خود بھی خلع دے سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ مجھے ثابت بن قیس کی دین داری اور اخلاق سے کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ مسلمان ہو کر ناشکری کا ارتکاب کروں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا تم ان کے دیے ہوئے باغ کو واپس کر دوگی؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپؐ نے ان کے شوہر سے کہا کہ باغ لے لو اور ایک طلاق دے دو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ کے حکم پر انھوں نے اسے خود سے الگ کر دیا۔[۵]

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ خلع کا مطالبہ کرنے والی اس خاتون کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت ثابتؓ کی ایک دوسری بیوی نے بھی ان سے خلع لے لیا تھا۔ ان کا نام حبیبہ بنت سہل تھا۔ ان دونوں واقعات میں اللہ کے رسول ﷺ نے خلع کے لیے حضرت ثابتؓ کی مرضی معلوم نہیں کی، بلکہ صورت حال واضح ہو جانے کے بعد انھیں چھوڑ دینے کا حکم صادر فرمایا۔ حدیث میں اس کے لیے 'امر' کا لفظ آیا ہے۔ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے وجوب کے لیے ہوتا ہے اور مخاطب پر اس کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ بغیر کسی دلیل کے اسے دوسرے معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہاں اس طرح کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ 'امر' اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کے برخلاف یہ دلیل موجود ہے کہ 'امر' اصل معنی میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ عورت کو اچھی طرح سے رکھے یا اسے خوش اسلوبی سے الگ کردے۔ خلع کے مطالبہ کی صورت میں اچھی طرح سے رکھنا دشوار ہو چکا ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسے خود سے الگ کردے۔ اگر وہ ایسا کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو تو پھر قاضی اس ناخوش گوار فریضہ کو انجام دے گا۔[۶]

دوسرے یہ کہ باہمی الفت و محبت اور سکون و اطمینان کے ساتھ خوش گوار زندگی گذارنا نکاح کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، اور جب طبعی کراہت اور ناپسندیدگی یا تعلیم اور معیارِ زندگی میں فرق کی وجہ سے عورت محسوس کر رہی ہے کہ اس کے لیے اسلامی حقوق و فرائض کی رعایت کرتے ہوئے خوش گوار زندگی گذارنا دشوار ہے تو ایسی صورت میں قاضی کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ عورت کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان تفریق کرادے، جیسے کہ شوہر کی نامردی کی صورت میں قاضی کو تفریق کرادینے کا حق حاصل ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ثابتؓ کی غیر موجودگی میں تفریق کا فیصلہ صادر فرمادیا تھا۔ جب انھیں اس کی اطلاع ملی تو بخوشی انھوں نے اس فیصلہ کو قبول کرلیا۔[۷]

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت ثابتؓ کے مذکورہ واقعہ میں خلع کا معاملہ ان کی مرضی سے طے پایا تھا، چنانچہ نسائی میں مذکور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فارسل رسول الله صلی الله علیه وسلم الی ثابت فقال له خذ الذی لها علیک وخلّ سبیلها قال نعم۔ ۸

آں حضرتﷺ نے حضرت ثابتؓ کو ہوایا اور ان سے فرمایا: جو مال ان کا تم پر واجب تھا وہ لے لو اور ان کو چھوڑ دو، حضرت ثابتؓ نے کہا ہاں۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے لکھا ہے کہ اگر خلع کا اختیار سلطان کو ہوتا تو اللہ کے رسولﷺ شوہر سے یہ نہ کہتے کہ خلع کرلو، بلکہ خود ہی خلع کر کے عورت کو الگ کر دیتے اور شوہر کو اس کا باغ واپس کر دیتے۔ ۹

اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ خلع کا معاملہ حضرت ثابتؓ کی مرضی سے طے پایا تھا اور یہ کہ اللہ کے رسولﷺ کے حکم کی حیثیت وجوبی نہیں تھی اور ثابتؓ اسے قبول کرنے کے پابند نہیں تھے اور یہ کہ اگر بحیثیت قاضی اللہ کے رسولﷺ خلع دینے کے مختار تھے تو پھر انھیں خلع کے لیے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ خود ہی اس معاملہ کو حل کر دیتے۔ تو اس پورے واقعہ سے صرف ایک بات معلوم ہوتی ہے کہ خلع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قاضی پہلے خود شوہر سے خلع کرنے کے لیے کہے اور اس کی مرضی سے اس معاملے کو نپٹائے۔ یہ خلع کی بہتر شکل ہے، جیسا کہ فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ شوہر کی نامردی کی صورت میں قاضی پہلے خود اسی سے طلاق کے لیے کہے گا۔ اگر وہ آمادہ نہ ہو تو خود تفریق کرا دے گا۔ خلع کے مسئلہ میں سوال یہ ہے کہ اگر شوہر قاضی کے کہنے پر طلاق دینے کے لیے آمادہ نہ ہو، تو کیا قاضی محض اس کی خوشامد پر اکتفا کرے گا اور عورت کو کرب اور بے چینی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دے گا اور اسے شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کرے گا، یا نامردی وغیرہ کی طرح مقصدِ نکاح کو فوت ہوتا ہوا دیکھ کر عورت کے مطالبہ پر اسے الگ کر دے گا۔ اہم چیز ہر حال میں دونوں کو رشتۂ نکاح میں باندھ کر رکھنا ہے، یا مقصد نکاح کو برقرار رکھنا اور اللہ کے حدود کی نگہ داشت اور حفاظت ہے۔ ظاہر ہے کہ حدود اللہ کی پامالی کسی بھی حال میں گوارا نہیں ہے۔ اگر قاضی کے علم میں اس طرح کا کوئی معاملہ آئے تو وہ اس کا انتظار نہیں کرے گا کہ میاں بیوی جب یہ معاملہ لے کر اس کے پاس آئیں تبھی وہ کوئی فیصلہ کرے، بلکہ وہ اپنے اختیار کا استعمال کرتے ہوئے از خود مداخلت کرے گا، چنانچہ علامہ ابن العربیؒ لکھتے ہیں:

واذا علم الامام من حال الزوجين الشقاق لزمه ان يبعث اليها حكمين ولاينتظر ارتفاعهما ، لان مايضيع من حقوق الله اثناء ما ينتظر رفعهما اليه لاجبر له۔[۱۰]	جب قاضی کو زوجین کے درمیان نااتفاقی کی اطلاع ملے تو اسے ان کے پاس حکمین کو بھیجنا ضروری ہے اور قاضی ان کے آنے کا انتظار نہیں کرے گا، کیونکہ ان کے آنے کے انتظار کے درمیان جو اللہ کے حقوق ضائع ہوں گے ان کی تلافی کی کوئی شکل نہیں ہے۔

اس لیے جب قاضی کو یہ محسوس ہو کہ عورت شوہر سے اس درجہ بیزار ہو چکی ہے کہ نباہ مشکل ہے تو وہ اس کے مطالبہ پر خلع کرادے گا، اس میں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ بے زاری اور نفرت کی وجوہ اور اسباب کا پتہ لگائے۔ اس کے لیے بس یہ جاننا کافی ہے کہ عورت کے دل میں شوہر کی طرف سے نفرت جڑ پکڑ چکی ہے، اب ان دونوں کے درمیان نباہ مشکل ہے اور دونوں کو ایک ساتھ رکھنے کی صورت میں حدود اللہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ جاننے کے لیے قاضی اگر کوئی تدبیر اختیار کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ ایک خاتون نے ان کے پاس آکر اپنے شوہر کی شکایت کی اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے اسے نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ اچھی طرح رہنے کا مشورہ دیا، جسے اس نے قبول نہیں کیا۔ اس پر انھوں نے اسے ایک ایسی کوٹھری میں بند کردیا جس میں کوڑا کباڑ جمع تھا۔ تین دن قید رکھنے کے بعد اسے نکالا اور پوچھا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا: قید خانے کے ان تین راتوں کے علاوہ مجھے کبھی راحت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس نفرت و کراہت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر سے کہا: تیرا ناس ہو، اسے خلع دے دے۔[۱۱]

نفرت و کراہت کے اسباب کی کھوج لگانا قاضی کے لیے ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ عورت کی بے زاری کی بہت سی ایسی وجہیں ہوسکتی ہیں جنھیں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر بیان کیا جائے تو دوسروں کی نگاہ میں وہ نفرت کے لیے کافی نہ ہوں، اس لیے قاضی کا کام صرف یہ دیکھنا ہے کہ نفرت پیدا ہو چکی ہے اور اس کی وجہ سے دونوں کو ساتھ رکھنے کی صورت میں حدود اللہ کی پامالی کا اندیشہ ہے۔

اگر قاضی یہ محسوس کرے کہ ان دونوں کے درمیان اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نباہ ممکن ہے، تو پھر ان کے رشتہ داروں، پڑوسیوں یا دوسرے لوگوں کو درمیان میں ڈال کر ان کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کرے۔ اگر صلح کی شکل پیدا ہو جائے تو یہی مطلوب ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مصالحت کاروں کے مہیّا کردہ بیانات کو سامنے رکھ کر قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے۔[۱۲]

بہتر یہ ہے کہ مصالحت کاروں میں سے ایک مرد کا رشتہ دار ہو اور دوسرا عورت سے متعلق ہو، کیونکہ غیر کے مقابلہ میں اپنوں سے اس بات کی زیادہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اس رشتہ کی اہمیت اور اس کی نزاکت کو پیش نظر رکھیں گے اور ہر ممکن مصالحت کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً۔ (النساء:۳۵)

اور اگر تمھیں دونوں کے درمیان کش مکش کا علم ہو تو ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کردو۔ اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا۔ بلا شبہ اللہ بڑا علم رکھنے والا اور ہر طرح باخبر ہے۔

شقاق کی تعریف

اس آیت میں مذکور لفظ 'شقاق' کا مفہوم یہ ہے کہ میاں، بیوی کے درمیان ایسی مخالفت اور ضد پیدا ہو جائے کہ باہم مصالحت دشوار نظر آجائے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الشقاق المخالفة، وكونك في شق غير شق صاحبك۔[۱۳]

'شقاق' اختلاف کا نام ہے، اس طور پر کہ ایک فریق ایک کنارے پر ہو اور دوسرا دوسرے کنارے پر۔

رشتوں میں تلخی اور مزاج میں اختلاف کی وجہ سے کش مکش اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ حقوق

اور ذمہ داریوں میں کوتاہی کررہا ہو اور حدود اللہ کی پامالی کا خطرہ ہو تو اس کیفیت کو 'شقاق' کہا جائے گا۔[۱۴]

شقاق کی صورت میں حَکَمین کے اختیارات

حَکَمین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح صورت حال کا پتہ لگائیں، ظالم و مظلوم کی شناخت کریں، ظالم کو ظلم سے روکیں اور مظلوم کی فریاد رسی کریں[۱۵] اور دونوں کے درمیان ہر ممکن طریقے سے مصالحت کرانے اور شقاق کو وفاق سے بدلنے کی کوشش کریں، لیکن اگر ان کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی ہے، دونوں میں موافقت کی کوئی صورت نہیں نکلتی ہے اور اندیشہ ہے کہ ساتھ رہنے کی صورت میں لڑائی جھگڑے کا ماحول بنا رہے گا، دونوں اللہ کے متعین کردہ حدود پر قائم نہیں رہیں گے اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں حَکَمین دونوں کے درمیان تفریق کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

حضرت عطاؒ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حَکَمین کا کام صرف دونوں کے درمیان مصالحت کے لیے کوشش کرنا ہے، اس سے زیادہ ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے، الّا یہ کہ میاں بیوی نے خوش دلی سے انھیں اس رشتہ کو باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار دیا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے ایک قول اسی کے مطابق منقول ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق حَکَمین کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے، وہ ان حدود میں رہ کر اقدام کر سکتے ہیں جو میاں، بیوی میں سے ہر ایک نے ان کے لیے متعین کر دیے ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، شعبیؒ، نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ، اوزاعیؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حَکَمین کو میاں بیوی کی مرضی کے بغیر بھی ان دونوں کے درمیان تفریق کا حق حاصل ہے۔ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک قول اسی کے موافق منقول ہے۔[۱۶] علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔[۱۷] اس نقطہ نظر کے مطابق حَکَمین مکمل طور پر بااختیار ہوتے ہیں اور انھیں کوئی بھی فیصلہ لینے کے لیے کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ میاں بیوی کے نہ چاہتے ہوئے بھی انھیں مہر کی واپسی کے ساتھ یا اس کے بغیر تفریق کا اختیار ہے۔

حَکَمین کو وکیل قرار دینے والوں کے دلائل

جو لوگ حَکَمین کو میاں بیوی کا وکیل اور انھیں ان کی مرضی کا پابند قرار دیتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے اور ختم کرنے کا کلّی اختیار شوہر کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اس کی مرضی کے بغیر اس رشتہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ (البقرۃ: ۲۳۷)

اگر تم نے انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی ہو اور مہر متعین کر چکے ہو تو جتنا تم متعین کر چکے ہو اس کا آدھا مہر واجب ہے، مگر یہ کہ وہ عورتیں خود معاف کر دیں، یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

اس آیت میں مذکور 'بیدہ عقدۃ النکاح' (جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) سے مراد شوہر ہے، جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ حضرت عمرو بن شعیبؒ کی سند سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

ولی عقدۃ النکاح الزوج۔ [۱۸] عقدۃ النکاح کا مالک شوہر ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مہر مقرر ہونے کی صورت میں اگر شوہر ہم بستری سے پہلے بیوی کو طلاق دے دے تو مقرر مہر کا آدھا حصہ واجب ہے، البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ عورت اپنے حق سے بخوشی دست بردار ہو جائے اور آدھا مہر بھی نہ لے، دوسری صورت یہ کہ شوہر فیاضی سے کام لے اور جو مہر وہ دے چکا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے اور جو آدھا اسے واپس ملنا تھا اس سے بھی دست کش ہو جائے۔

جب نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے تو وہی اس کو باقی رکھنے یا کھول دینے کا اختیار رکھتا ہے، دوسرے کو اس کی مرضی کے بغیر دخل اندازی کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲- حضرت عبیدۃؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس میاں بیوی اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوئے۔ دونوں کے ساتھ لوگوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ ان لوگوں نے مرد اور عورت کی طرف

سے ایک ایک حَکَم کو متعین کیا۔ حضرت علیؓ نے حَکَمین کو مخاطب کرکے فرمایا: تم جانتے ہو کہ تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ اگر ان دونوں میں مصالحت مناسب سمجھو تو مصالحت کرادو اور اگر تفریق مناسب سمجھو تو دونوں کو الگ الگ کردو۔ عورت نے کہا کہ میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں، چاہے وہ میرے موافق ہو یا میرے خلاف۔ شوہر نے کہا کہ علیٰحدگی مجھے گوارا نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم، تم جھوٹے ہو، تم یہاں سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جاؤ، چاہے وہ تمہارے موافق ہو یا تمہارے خلاف۔ [۱۹]

اگر حَکَمین کو علیٰحدگی کا اختیار ہوتا تو حضرت علیؓ کا شوہر پر علیٰحدگی کے لیے وکیل بنانے پر دباؤ ڈالنا بے معنیٰ ہوتا، شوہر راضی ہو یا ناراض حَکَمین کو جدائی کے لیے کہہ دیتے۔ شوہر کو مجبور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر تفریق نہیں ہو سکتی ہے۔ [۲۰]

۳- اگر شوہر قاضی کے پاس آکر بیوی کے ساتھ بدسلوکی کا اعتراف کرے تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں حَکَم بنانے سے پہلے قاضی کو علیٰحدگی کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت آکر شوہر کی نافرمانی کا اقرار کرے تو قاضی اسے خلع لینے اور مہر واپس کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ تو جس طرح حَکَم مقرر کرنے سے پہلے شوہر کی مرضی کے بغیر علیٰحدگی اور عورت کی رضامندی کے بغیر مہر واپس نہیں لیا جاسکتا ہے، اسی طرح حَکَم مقرر کرنے کے بعد بھی ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ جب قاضی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے تو اس کی طرف سے مقرر کردہ حَکَمین کو یہ اختیار کیسے حاصل ہوگا۔ [۲۱]

۴- شوہر اپنی بیوی سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے اور عورت اس کے دیے ہوئے مہر کی مالک ہوتی ہے۔ کسی حاکم اور قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر دوسرے کے حوالے کردے، کیونکہ خوش دلی کے بغیر دوسرے کے مال کو لینا حرام ہے، جس کی کتاب وسنت میں سخت ممانعت آئی ہے، لہٰذا عورت کی مرضی کے خلاف مہر واپس لینا اور شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے فائدہ اٹھانے کے حق کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔ [۲۲]

۵- قرآن کی کسی آیت اور رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حَکَمین یا قاضی کو اس صورت میں علیٰحدگی کا حق ہے۔ [۲۳] قرآن میں صراحت ہے کہ حَکَمین کا

کام دونوں کے درمیان مصالحت اور موافقت پیدا کرنا ہے، (اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحاً) اس میں علاحدگی کے اختیار کا ذکر نہیں ہے۔۲۴ حَکَمین کو صرف اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے ظالم کو سمجھا بجھا کر ظلم سے باز رکھیں اور حاکم کو صورت حال سے باخبر کریں، تاکہ حَکَمین کی بات نہ ماننے پر وہ بہ زورِ قوت ظلم کو روک دے۔۲۵

۶- اگر میاں بیوی ان حَکَمین کو مکمل بااختیار وکیل بناتے ہیں تو ایسی صورت میں علاحدگی یا مصالحت ان کی صواب دید پر مبنی ہوتی ہے اور وہ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، اس لیے ان کو حَکَم کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ علامہ قرطبیؒ اور علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عطاءؒ، ابوثورؒ، حسن بصریؒ اور علماء کوفہ کے نزدیک حَکَمین امیر اور حاکم کے نمائندے ہوتے ہیں، انھیں علاحدگی کا اختیار نہیں ہے، البتہ امیر اور امام علاحدگی کرا سکتا ہے، یا ان حَکَمین کو یہ اختیار دے سکتا ہے۔ امام شافعیؒ سے بھی ایک قول اسی کے مطابق منقول ہے۔۲۶

حَکَمین کو بااختیار قرار دینے والوں کے دلائل

جو لوگ حَکَمین کو میاں بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی تفریق کا اختیار دیتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحاً يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ (النساء:۳۵)

اگر تم کو ان کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک ایک حَکَم مرد و عورت کے خاندان سے بھیجو، اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔

اس آیت میں حاکم اور قاضی کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ زوجین کے درمیان اختلاف کی صورت میں دونوں کی طرف سے ایک نمائندہ متعین کریں، ۲۷ اس نمائندہ کو حَکَم کہا گیا ہے، جس کے معنی فیصلہ کرنے والے کے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

اگران کی حیثیت محض وکیل اور ناصح کی ہوتی تو یہ لفظ استعمال نہ کیا جاتا، اس لیے کہ قرآن میں کسی شرعی اصطلاح میں اور خاص و عام کے عرف میں کہیں بھی وکیل کے لیے 'حکم' کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے، نیز حکم مقرر کرنے کا اختیار قاضی اور حاکم کو دیا گیا ہے۔ اگر یہ مرد وعورت کے وکیل ہوتے تو وہ دونوں خود ہی اپنا وکیل مقرر کرتے، اسے قاضی کے حوالے نہ کیا جاتا۔

علاوہ ازیں ان حَکَمین کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر وہ مصالحت کا ارادہ کریں (اِنۡ یُّرِیۡدَا اِصۡلَاحاً) ان کی طرف ارادہ کی نسبت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی حیثیت وکیل کی نہیں ہے، اس لیے کہ وکیل اپنا ارادہ واختیار نہیں رکھتا، بلکہ وہ موکل کے ارادہ واختیار کا پابند ہوتا ہے۔ ۲۸

میاں بیوی کے درمیان حد سے گزرے ہوئے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے 'اصلاح' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے، جو یکجائی اور جدائی دونوں کو شامل ہے۔ یعنی اس اختلاف کی اصلاح کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دونوں کے درمیان اتفاق اور الفت ومحبت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور جو رشتہ ٹوٹنے کے کگار پر ہے، اسے جوڑ دیا جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ کرکے اختلاف ونزاع کو ختم کردیا جائے، اس لیے کہ ساتھ رکھنے کی صورت میں مصالحت نہیں ہوسکتی ہے۔ ۲۹

۲۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ میں اختلاف ہوا۔ فاطمہ نے حضرت عثمان سے شکایت کی، چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو حکم بنا کر بھیجا اور کہا:

ان رأیتما ان تُجمَعا جُمِعتما وان رأیتما ان تُفَرَّقا فُرقتما۔ اگرتم دونوں انھیں ایک ساتھ رکھنا چاہو تو ایک ساتھ کردو اور اگر الگ کرنا چاہو تو الگ کردو۔

اسی واقعہ کے ضمن میں بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ میں دونوں کو الگ الگ کرکے رہوں گا اور حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میں عبدمناف کے دو بزرگوں کے درمیان تفریق نہیں کروں گا۔ ۳۰

۳۔ حضرت علیؓ کے دور میں بھی اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تو انھوں نے حکمین کو

رشتہ باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار دیا۔[۱۳۱]

یہ دونوں واقعات اس بات کے لیے واضح دلیل ہیں کہ حَکَمین مکمل بااختیار ہوتے ہیں۔ تفریق کے لیے انھیں کسی کی مرضی اور اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور کے واقعہ میں جب شوہر نے حکمین کی اس حیثیت کا انکار کیا تو انھوں نے دباؤ ڈال کر اس سے ان کی اس حیثیت کو منوایا۔ اگر تفریق کے لیے شوہر کی رضا مندی ضروری ہوتی تو دباؤ ڈالنا درست نہ ہوتا، اس لیے کہ جبر اور دباؤ کے ساتھ کوئی کام کرنے میں رضامندی شامل نہیں ہوتی ہے۔

۴- الفت و محبت کے ساتھ رہنا نکاح کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ جب میاں بیوی کا اختلاف گھر کے آنگن سے نکل کر قاضی کی عدالت تک آجائے اور لڑائی جھگڑے کو ختم کرنے کی کوشش ناکام ہو جائے تو بہتر یہی ہے کہ دونوں کو الگ کر دیا جائے، تاکہ یہ دونوں اور ان کے متعلقین سکون و اطمینان کے ساتھ رہ سکیں اور ہر روز کی لڑائی جھگڑے سے نجات پا سکیں۔ جس طرح شوہر کے نامرد ہونے کی صورت میں قاضی کو تفریق کا اختیار ہوتا ہے، کیوں کہ نامردی کی صورت میں نکاح کا ایک مقصد فوت ہوتا ہے، اسی طرح حد سے گذرے ہوئے اختلاف کی شکل میں بھی نکاح کا مقصد باقی نہیں رہتا، اس لیے پہلی صورت کی طرح دوسری صورت میں بھی حکمین کو تفریق کا اختیار ہونا چاہیے۔[۱۳۲]

حاصل بحث

۱- نکاح ایک پاکیزہ اور مضبوط بندھن ہے، بلاوجہ اسے کمزور کرنے اور توڑنے کی کوشش غیر اخلاقی اور سخت ناپسندیدہ ہے۔

۲- عصمت و عفت کی حفاظت اور الفت و محبت اور سکون و طمانینت نکاح کے دو اہم مقاصد ہیں۔ اگر ان مقاصد کی پامالی کا اندیشہ ہو تو پھر یکجائی سے بہتر جدائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے اور اس مدت میں اپنی بیوی کے پاس نہ جائے تو خطرہ ہے کہ عورت فطری تقاضوں کی وجہ سے حدود اللہ کو توڑنے پر مجبور ہو جائے، اس لیے اس مدت کے گذرنے کے بعد از خود نکاح کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ زوجین

کے درمیان اختلاف ونزاع کی صورت میں قاضی کو مداخلت کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ حدود اللہ کی حفاظت رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے لیے اس رشتہ کی قربانی گوارا کرلی جائے گی۔

۳- شوہر اگر محسوس کرتا ہے کہ اس رشتہ کو باقی رکھتے ہوئے حدود اللہ کی حفاظت دشوار ہے تو اسے طلاق کے ذریعہ ختم کر دینے کی اجازت دی گئی ہے، البتہ اس صورت میں اسے دیے ہوئے مہر سے دست بردار ہونا پڑے گا اور اگر یہی چیز عورت محسوس کرتی ہے تو اسے خلع کی شکل میں ایک قانونی حق فراہم کیا گیا ہے کہ وہ شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کرے۔ اگر شوہر اس پر راضی ہے تو اسے گھر کے اندر ہی طے کرلینا بہتر ہے، قاضی کے پاس جانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر شوہر راضی نہ ہو تو پھر عورت قاضی سے رجوع کرے گی۔ اگر قاضی کو معلوم ہو کہ اس رشتہ کو برقرار رکھتے ہوئے حدود اللہ کی پامالی کا اندیشہ ہے تو اسے عورت کے مطالبہ پر اس رشتہ کو ختم کر دینا چاہیے، اس کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ عورت اس سے بے زار ہے اور اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بے زاری کی وجوہ واسباب کا پتہ لگانا ضروری نہیں ہے۔

اور اگر اسے امید ہو کہ ان کے درمیان کے اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے اور اس رشتہ کو ٹوٹنے سے بچایا جا سکتا ہے تو وہ دونوں کے خاندانوں، پڑوسیوں یا دوسرے نیک اور معاملہ فہم لوگوں کے ذریعہ صلح کرانے کی کوشش کرے۔ اگر اس کوشش میں ناکامی ہو تو پھر ان مصالحت کاروں کے ذریعہ ان دونوں کو جدا کر دینا چاہیے، جیسا کہ امام مالکؒ اور بعض دوسرے فقہاء کا نقطۂ نظر ہے، یا قاضی مصالحت کاروں کے بیان کی روشنی میں خود ہی اس رشتہ کو ختم کر دے، اس لیے کہ جب قاضی کے ذیعہ بھیجے ہوئے حَکَمین کو یہ حق حاصل ہے تو قاضی کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگا۔

۴- یہ صحیح ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے، کوئی دوسرا اس سے اس اختیار کو چھین نہیں سکتا، لیکن یہ بھی انصاف اور عدل کے خلاف ہے کہ شوہر تو اس درجہ بااختیار ہو کہ وہ جب چاہے بے سبب اس رشتہ کو توڑ دے اور عورت کو اس درجہ بے بس بنا دیا جائے کہ وہ کسی بھی طرح ایسے شخص سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے، جس سے اسے شدید نفرت پیدا ہو چکی ہے اور اس کی وجہ سے حدود اللہ متاثر ہو رہے ہوں، سکون واطمینان رخصت ہو جائے اور عصمت وعفت کا

جنازہ نکل جائے۔ اسلام میں اس طرح سے کسی کو مطلق حق اور اختیار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ تمام حقوق اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ ان کے استعمال میں ظلم و جور اور حدود اللہ کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہ ہو۔

۵- قاضی اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ حدود اللہ کی نگہ داشت کرے اور اسے پامالی سے بچائے اور جہاں کہیں اس کا اندیشہ ہو وہاں از خود مداخلت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کے متعدد معاملات میں تمام فقہاء کے نزدیک قاضی کو تفریق اور فسخِ نکاح کا حق حاصل ہے۔

حواشی ومراجع

۱ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، ۱۴۶۹

۲ رواہ اصحاب السنن وحسنہ الترمذی وصحّحہ الالبانی، جمع الفوائد، مکتبہ الرشد، کویت، ۲۰۰۵ء، ص۶۵۴

۳ عمدۃ القاری، ۱۴/۳/۲۷

۴ البحر الرائق، ۴/۱۱۹

۵ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ، ۵۲۷۳

۶ نیل الاوطار، ۶/ ۲۸۶، سبل الاسلام، ۳/ ۱۶۷

۷ رواہ الدارقطنی باسناد صحیح، نیل الاوطار، ۶/ ۲۴۷، اعلاء السنن، ۱۱/۲۲۲

۸ سنن النسائی، کتاب الطلاب، باب عدۃ المختلعۃ، ۳۴۹۷

۹ احکام القرآن، ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص، دار الکتاب العربی لبنان، ۱/ ۳۹۵

۱۰ احکام القرآن، ۱/۵۴۳

۱۱ تفسیر ابن کثیر، دار عالم الکتب الریاض، ۱۹۹۷ء، ۱/ ۳۴۱

۱۲ دیکھیے الروضۃ الندیۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱/۴۵۰

۱۳ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، ص۲۶۴، علامہ شامی نے لکھا ہے: الشقاق وہوالاختلاف والتخاصم، رد المحتار، ۵/۸۷

۱۴ جامع البیان عن تاویل آی القرآن، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۴/۳/۷۳

۱۵ دیکھیے المغنی، ابن قدامہ، ۱۰/۲۶۳

۱۶ دیکھیے المغنی، ۱۰/۲۶۴، زاد المعاد، ۵/۱۹۰

۱۷ تفسیر ابن کثیر، ۱۰/۶۰۳، شوافع اور حنابلہ کی ایک بڑی تعداد نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیے زاد المحتاج، ۳/۳۳۳، الانصاف، ۲۱/۴۸۲

۱۸ دیکھیے تفسیر قرطبی، ۳/۲۰۶، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی ایک مرفوع حدیث اسی معنی میں منقول ہے، جس کی سند حسن ہے۔ دیکھیے روح المعانی، ۲/۱۵۴۔ علامہ ابن جریر طبری وغیرہ نے بھی اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے، تفسیر طبری، ۲/۳۱۸

۱۹ تفسیر قرطبی، ۵/۱۲۷، وقال: ہذا اسناد ثابت صحیح

۲۰ دیکھیے احکام القرآن للجصاص، ۲/۱۹۲

۲۱ حوالۂ مذکور

۲۲ حوالۂ مذکور

۲۳ لیس فی الآیۃ ولا فی شئ من السنن ان للحکمین ان یفرقا وان ذالک للحاکم، المحلی، ۱۰/۸۷

۲۴ کتاب الام، ۵/۱۹۴

۲۵ احکام القرآن للجصاص، ۲/۱۹۳

۲۶ تفسیر قرطبی، ۵/۱۲۶، عمدۃ القاری: ۱۴/۲۸۰

۲۷ قال ابن بطال: اجمع العلماء علی ان المخاطب بقوله تعالی اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا الحکام، فتح الباری، ۳/۳۷۴، نیز اوجز المسالک، ۱۱/۳۶۲

۲۸ دیکھیے زاد المعاد، ۵/۱۹۰

۲۹ اِنۡ یُّرِیۡدَا ای الحکمان اِصۡلاحاً ای قطعاً للخصومۃ وھذا شامل للصلح والفراق، اوجز المسالک: ۱۱/۲۶۳

۳۰ دیکھیے تفسیر ابن کثیر، ۱/۶۰۳، زاد المعاد، ۵/ ۱۹۱، زاد المعاد کے محقق نے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۳۱ تفسیر قرطبی، ۵/۱۲۷، زاد المعاد، ۵/ ۱۹۱، قال محققہ: واسنادہ صحیح

۳۲ دیکھیے احکام القرآن، ابن العربی، ۱/ ۴۲۵، فتح الباری، ۳/۳۷۴

☆☆☆

علامہ اقبال کا تصورِ ملت

ڈاکٹر علی محمد بٹ

علامہ اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸ء) نے اپنی شاعری کے ذریعے مِلّی تصور کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شاعر، فلسفی اور سیاسی لیڈر ہونے کے ساتھ ایک انقلابی ذہن کے مالک تھے۔ انہوں نے چودھویں صدی ہجری/ بیسویں صدی عیسوی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اُن کی شخصیت کے متعدد پہلو ہیں اور ہر پہلو جداگانہ رنگ اور نرالی چمک کا حامل ہے۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں ایک زبردست علمی اور سیاسی شخصیت ہونے کے باوجود تکبر، غرور اور اپنے آپ کو نمایاں کرنے اور اپنی حیثیت کو برتر رکھنے کے لیے کسی کوشش کا سُراغ نہیں ملتا ہے۔[۱] انہوں نے تمام عمر مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے وقف کی۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام اپنی پوری تاریخ میں داخلی سازشوں اور خارجی یلغاروں کا شِکار رہا ہے۔ داخلی ریشہ دوانیوں نے اسے جو نقصان پہنچایا ہے، وہ شاید ہی خارجی محاذ پر ہوا ہو۔ اسلام انسانیت کے لیے خُدا کا پسندیدہ دین ہے۔ یہ ایک ایسی دعوت ہے جو آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور اُن کے متبعین کے ہاتھوں تاریخ کے آخری لمحے تک انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ قرآنِ کریم نے روئے زمین کی پادشاہی اور باشندگانِ زمین پر حکم رانی صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص کی ہے، اس کے سوا کسی انسان کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسلام کی دعوت کسی قومی، ذاتی اور علاقائی شناخت کا نام نہیں ہے، بلکہ غیر مشروط اطاعت کا نام ہے اور اسی دعوت کا اظہار انسانی تاریخ میں تسلسل اور ترتیب کے ساتھ تمام انبیائے کرام نے کیا ہے۔ دراصل اسی وسعتِ فکری کا اظہار تھا کہ حضرت محمد ﷺ کسی خاص اور نئی اُمت کے قیام کے دعوے دار نہیں، بلکہ مِلت ابراہیمی کا احیاء کرنے والا آخری پیغمبر تھے۔ اُن کی دعوت تمام

انبیائے سابقہ کی دعوتوں کی ارتقائی شکل ہے۔۲؎ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ اِلٰی صِرَاطِ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا (الانعام۔۱۶۱)	بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دِکھائی ہے، ٹھیک دین، ابراہیم کی ملّت، جو اللہ کے لیے یک سو تھے۔
مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ ھٰذَا (الحج:۷۸)	اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم ہو جاو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی۔

علامہ اقبال نے اسی ملّی تصور کو اُجاگر کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا بھر پور استعمال کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ تمام دُنیا کے مسلمان ایک ہی مِلّت سے وابستہ ہیں اور وہ کسی خاص علاقے سے منسلک نہیں ہیں۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانوں کی رنگ ونسل، زبان یا وطن کی بنیاد پر تقسیم کو قبول نہیں کرتا ہے، بلکہ اس میں قوم کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے۔ اسلام کی دعوت کو قبول کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قولاً وعملاً اقرار کر کے حضرت محمد ﷺ کے تعلیمات پر عمل کرنے والے کو ہی مسلمان کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے قوم پرستی کو انسانیت کی موت قرار دیا، کیونکہ اسلام کا مقصد لسانی،نسلی اور خاندانی تعصّبات کے ساتھ علاقائی حدود کو ختم کر کے ایک عالم گیر تصور پیش کرنا ہے۔ اس مشن کا مقصد انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرانا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ما مسلمانیم اولادِ خلیلؑ	از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل
باوطن وابستہ تقدیرِ اِمم	برنسب بنیاد تعمیر اُمم
اصل مِلّت در وطن دیدن کہ چہ	بادوآب و گل پر ستیدن کہ چہ
بر نسب نازان شدن نادانی است	حکمِ اواندرتن وتن فانی است
مِلّت مارا اساسِ دیگر است	ایں اساس اندر دل ما مضمر است
حاظریم و دل بغائب بستہ ایم	پس زبند اِین وآنِ وارستہ ایم
رشتہ ایں قوم مثلِ انجم است	چوں نگہ ہم از نِگاہِ ما گم است
تیر خوش پیکانِ یک کیشیم ما	یک نما یک بیں، یک اندیشیم ما

مدعاے ما ، مآلِ ما یکے ست طرز و اندازِ خیال ما یکے ست
ما ز نعمت ہاے او اخواں شدیم یک زبان و یک دل و یک جان شدیم۴۳

(ہم مسلمان ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر تم دلیل چاہتے ہو تو قرآن کی آیت 'مِلّۃِ ابیکم ابراھیم' سے دلیل حاصل کر کے قوم کی بنیاد پر رکھو۔ پانی اور مٹی کو پوجنا، نسب پر فخر کرنا حماقت ہے، اس کا تعلق جسم سے ہوتا ہے اور جسم فانی ہے۔ ہماری مِلّت کی اساس دوسری ہے۔ یہ اساس ہمارے دل کے اندر پوشیدہ ہے۔ ہم حاضر ہیں، لیکن دِل کو غائب (یعنی اللہ تعالیٰ) کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ وہی ہمارا کارساز ہے۔ پس ہم ایسی ویسی پابندی سے آزاد ہیں۔ ہمارا مقصد اور انجام ایک ہے۔ ہمارے طور طریقے اور ہمارے خیال ایک ہیں۔ ہم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ ہم ایک زبان، ایک دل اور ایک جان ہو گئے۔)

علامہ اقبال نے مِلّت کا جو تصور اس نظم کے ذریعے پیش کیا ہے وہ محض نظریاتی نہیں، بلکہ یہ وحدت اِلٰہ اور وحدت انسانیت کا وہ تصور ہے جس کا دنیا عملی طور پر مشاہدہ کر چکی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ توحید کے ذریعہ جس قوم یا مِلّت کی بنیاد رکھی تھی اس کے ماننے والوں نے لسانی اور علاقائی تعصب سے بالاتر ہو کر ایک عظیم وحدت کا تصور پیش کیا، جس کا دنیا نے ہجرت کے بعد مدینہ میں مشاہدہ کیا۔ اس کے افراد میں وہ محبت اور اخوت پائی جاتی تھی جو دوسری قوموں کے حقیقی بھائیوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ تھا اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روم کے سفید فاموں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن دربارِ رسالت مآب میں یہ دونوں صحابی بھائی بھائی تھے۔ علامہ اقبال نے اسی اخوت اور بھائی چارے کو اس طرح بیان کیا ہے:

اسود از توحید احمر می شود
خویش فاروق و ابو ذر می شود۴۴

(توحید کے ذریعے کالا گورا بن جاتا ہے، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کا قرابت دار ہو جاتا ہے۔)

مسلمانوں کے لیے پوری دنیا ایک گھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اسی کی ایک کڑی تھی۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان کسی مخصوص علاقے سے منسلک نہیں ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالا تر ہیں۔ وہ کسی خاص ملک یا علاقے پر نگاہ جمائے نہیں رہ سکتے، بلکہ اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے جہاں پہنچ جائیں وہی اُن کا دیس ہے، چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں:

''ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست''[۵]

(ہر ملک ہمارا ملک ہے، کیونکہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔)

دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں:

جوہر ما با مقامے بستہ نیست　　بادہ تندش بجائے بستہ نیست
صورت ماہی بہ بحر آزاد شو　　یعنی از قید مقام آزاد شو[۶]

(ہمارا جوہر کسی ایک ملک سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کی تیز شراب کسی ایک جام تک محدود نہیں ہے۔ وہ مچھلی کی مانند سمندر میں آزاد ہے، یعنی کسی مقام کی قید سے آزاد ہو جا۔)

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے مسلم قومیت کا عقدہ حل کر دیا۔ انہوں نے اخوت کا وہ تصور پیش کیا جو سرحدوں کی حد بندی سے آزاد ہے۔ آپؐ نے ہجرت کر کے ایک عالمی تہذیب کی بنیاد ڈال دی۔ اس ہجرت کو علامہ اقبالؒ نے پوشیدہ حکمت سے تعبیر کیا ہے، جس سے عالمی بھائی چارہ جنم لیتا ہے:

عقدہ قومیت مسلم کشود　　از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک مِلّت گیتی نورد　　بر اساس کلمہ تعمیر کرد
قصہ گو یاں حق زما پوشیدہ اند　　معنی ہجرت غلط فہمیدہ اند
ہجرت آئین حیات مسلم است　　ایں از اسباب ثبات مسلم است
معنٰی او از تنک ابی ورم است　　ترک شبنم بہر تسخیریم است
از گل گلستان مقصود تُست　　ایں زیان پیرابہ بند شود تُست[۷]

(حضرت محمد ﷺ نے مسلم قومیت کا عقدہ حل کر دیا۔ ہمارے آقا نے وطن سے ہجرت کر کے حکمتِ بالغہ کے ساتھ توحید کی بنیاد پر دنیا میں ایک عظیم بین الاقوامی تصور کی داغ بیل ڈالی۔ اس طرح انہوں نے قومیت یا وطنیت کا تصور ختم کر دیا۔ اگر چہ قصہ سنانے والوں نے ہم سے حق کو چھُپا کر رکھا اور ہجرت کے معنیٰ کو غلط سمجھایا۔ حقیقت میں یہ مسلمانوں کی زندگی کا دستور ہے۔ اس سے شعور جنم لیتا ہے اور یہ مسلمانوں کی ثابت قدمی اور استحکام کا ایک بڑا سبب بن جاتا ہے۔ اس کا معنیٰ قلیل پانی سے گریز اور دریا کی خاطر شبنم کو ترک کرنا ہے۔ اس لیے مسلم کو کہا گیا کہ پھول کو چھوڑ دے، کیونکہ اس کا مقصود تو باغ ہے۔ حقیقتاً (پھول چھوڑنے کا) یہ نقصان اے مسلمان تیرے فائدے کی خاطر ہے۔)

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ توحید نے علامہ اقبال کو تصورِ ملّت کا عظیم فلسفہ پیش کرنے پر اُبھارا ہے۔ اس تصور کا محور مملکت خُداداد کا قیام ہے، لیکن موجودہ دور میں وطن کو ملّت کی بنیاد قرار دیا گیا اور وطنیت کی بقا کے لیے تصور ملّت کو چھوڑ دیا گیا، مگر وطنیت کے اس تصور نے بنی نوعِ انسان کے لیے فساد کی راہیں کھول دی ہیں۔ بقولِ علامہ اقبالؒ:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداوؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے [8]

موجودہ نظریۂ قوم پرستی کو مغربی طاقتیں ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ وہ دیرینہ خواب، جو صلیبی جنگوں سے اُن کو حاصل نہیں ہو سکا، وہ قوم پرستی سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مِلّت اسلامیہ کو توڑنے میں استعماری قوتیں کافی حد تک کامیاب ہوگئی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بہت سی ایسی قومیں گزری ہیں جن کی مادی شان و شوکت سے دوسری قومیں لرزتی تھیں، مگر بایں ہمہ گردش ایام نے اُن کو پیس کر رکھ دیا۔ اس کی وجہ دین سے بے زاری اور نسلی و جغرافیائی طریقہ زندگی کو فوقیت دینا ہے۔ اس لیے کہ وطنیت، چاہے

رنگ ونسل کی بنیاد پر ہو یا علاقائی حد بندی کی بنیاد پر، انسانوں کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ کر کے ہوس پرست بنا دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے ملّی تصور کو اُجاگر کرنے کے لیے اپنی شاعرانہ صلاحیت کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
یقین افراد کا سرمایہ تعمیرِ ملّت ہے یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملّت ہے ۹

قوم پرستی کا آغاز مغرب میں انقلابِ فرانس یعنی ۱۷۸۹ء کے بعد ہوا۔ مشہور قوم پرست جان جیک روسو اس بات پر مصر تھا کہ انسان کو سب سے زیادہ تعلق اپنے گھر اور ملک سے ہونا چاہیئے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ فرد یا گروہ کی محبت اور وفاداری کا مرکز ومحور اس کا وطن ہونا چاہیے۔ اس نے نوعِ انسانی کی، اجتماعی، دینی اور سماجی نظام سے وابستگی کی شدید مخالفت کی۔ مغربی مصنفین کی تحریروں سے عیاں ہے کہ وہ قوم پرستی، زبان، ملک اور نسل کو وحدت کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ اُن کا اصرار ہے کہ غیر کے مقابلے میں ہم کو وطن کا دفاع کرنا ضروری ہے، چاہے اس کا موقف صحیح ہو یا غلط۔ چناچہ قوم پرستی عوام کے جذبات سے کھیلنے، فوجوں کو حرکت میں لانے، ہمسایہ ملکوں کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنانے، توسیع پسندی، قتل وغارت گری، بدعنوانی اور ظلم وجبر کا ایک ذریعہ بن گئی ہے۔۱۰

اسلام اپنا ایک مستقل نظامِ فکر رکھتا ہے۔ وہ انسان کی عملی، سیاسی، اجتماعی اور روحانی زندگی پر محیط ہے۔ اسی وجہ سے قوم پرستی کا ملّت اسلامیہ کے ساتھ ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ دونوں نظریات ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں۔ مِلّت اسلامی کی وحدت کی بنیاد ایک بین الاقوامی تصور پر مبنی ہے اور اس کی تشکیل عقیدے کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے مذہب کو ریڑھ کی ہڈی قرار دیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں ۱۱
مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی دِین زخمہ ہے، جمعیت مِلّت ہے اگر ساز
پانی نہ مِلا زمزمِ مِلّت جو اس کو پیدا ہیں نئی پوَد میں الحاد کے انداز ۱۲

جب مختلف قومیں کسی خاص مقام یا کسی ایک مرکز میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھ مِل جاتی ہیں تو ایک اجتماعیت وجود میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جابجا اجتماعیت کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد اور انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑی رحمت ونعمت قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاعۡتَصِمُو بِحَبۡلِ اللهِ جَمِيۡعًا وَ لَا تَفَرَّقُوۡ اوَ اذۡ كُرُوۡ نِعۡمَتَ اللهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ وَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا. (آل عمران:۱۰۳)	سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

دورِ جدید میں لوگوں نے قوم پرستی (یا وطن پرستی) سے متاثر ہوکر اخوت کے رشتے کو بری طرح پامال کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں بنی نوع انسان قبیلوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ علامہ اقبال نے جب اس تصور کو مسلمانوں میں پنپتا دیکھا تو انہوں نے وطنیت پر زبردست تنقید کی:

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خُدا بٹتی ہے اس سے قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
یہ بت کہ ترا شیدۂ تہذیب نوی ہے غارت گر کا شانۂ دینِ نبویؐ ہے [۱۳]

اسلامی تصورِ ملت کا تقاضا ہے کہ انسانوں کے دلوں کو نفرت اور تعصب سے پاک کر کے ایک ایسی مِلّت قائم کی جائے جس کی بنیاد حق وعدل پر ہو اور وہ رنگ ونسل اور علاقہ کی حد بندیوں سے بھی کوسوں دور ہو۔ چنانچہ اسلام کو ماننے والے اپنے آپ کو ملکی سرحدوں میں محدود نہ کریں، بلکہ وحدت انسانیت پر ایمان رکھیں۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں:

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم چمن زادیم و یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است کہ پروردہ یک نو بہاریم [۱۴]

(مسلمان نہ افغانی ہیں اور نہ تُرک اور تاتاری، بلکہ وہ ایک باغ اور ایک

شاخسار ہیں۔ ہم مسلمانوں پر رنگ و بو کی تمیز حرام ہے، کیونکہ ہم ایک نئی بہار
کے پروردہ ہیں۔)

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر مِلت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی ۱۵؎

اسلام کو ماننے والوں پر رنگ ونسل، زبان اور وطنیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اُمت سے تعبیر کیا ہے، جس کی بنیاد توحید پر قائم ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
اپنی مِلّت کو قیاس اقوامِ مغرب پر نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
اِن کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی ۱۶؎

جدید دور میں مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو چھوڑ کر مغرب کی پیدا کردہ وطنیت کے تصور کو اپنایا۔ اس نئے تصور نے انسان کو انسان سے بیگانہ کر دیا اور نوعِ انسانی کے لیے فتنہ وفساد کی راہیں کھول دیں۔ چنانچہ انسانی جسم تو باقی ہے، لیکن انسانیت مفقود ہوگئی ہے۔ مسلمانوں نے اخوت کے تصور کو بھُلا کر اور غیروں کے طریقۂ زندگی کو اپنا کر کے اپنی دنیا اور عاقبت دونوں برباد کر لی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

آں چناں اخوت کردہ اند — نوعِ انسان را قبائل ساختند
جنتے جُستند در بِئسَ القرار — تا اَحَلُّوْ قَوْ مَھُم دَارَالْبَوار
مردمی اندر جہاں افسانہ شد — آدمی از آدمی بیگانہ شُد
رُوح از تن رفت ہفت اندام ماند — آدمیت گم شدہ اقوام ماند ۱۷؎

(عصرِ حاضر میں مسلمانوں نے بھائی چارے کے رشتے کو اس طرح توڑا ہے کہ مِلّت پر وطن کی تعمیر کی ہے۔ جب انہوں نے وطن کو اختیار کیا تو بنی نوع انسان قبیلوں میں تقسیم ہوگئے۔ انھوں نے بدترین جگہ یعنی (جہنم) میں جنت تلاش کی۔ یہ تازہ وطن پرست اپنی مِلّت کو بدترین جگہ پر لے گئے۔ انسان

ایک دوسرے سے بیگانہ ہو گئے، ایسے کہ جسم سے روح نکل گئی اور خالی جسم باقی رہ گیا، انسانیت ختم ہوگئی اور وطنیت باقی رہ گئی۔)

علامہ اقبال نے زندہ اقوام کو مرکزیت سے منسلک کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ مرکز کے بغیر کوئی قوم قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ اس زمین میں مسلمانوں کا مرکز بیت اللہ ہے۔ جب تک وہ اس مرکز کے ساتھ وابستہ نہیں رہیں گے، اس وقت تک اُن کی سالمیت قائم و دائم نہیں رہے گی۔ فرماتے ہیں:

قوم را ربط و نظام از مرکزے — روز گارش را دوام از مرکزے

راز دار رازِ ما بیت الحرام — سوز ما ہم ساز ما بیت الحرام

تو ز پیوند حریمے زندہ — تا طوافِ او کنی پائندہ ۱۸

(قوم ایک مرکز کے ساتھ ہی مربوط اور منظّم ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کو مرکز ہی سے دوام حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا راز دار اور ہمارے سوز وساز یعنی ہماری آرزو اور دوڑ دھوپ کا مرکز بیت اللہ الحرام ہے، کیونکہ جو آواز یہاں سے اُٹھی ہے اُسی نے دنیا کے سیاسی، اخلاقی اور مذہبی نقشہ کو بدل دیا ہے۔ مسلمان بیت اللہ الحرام کی وابستگی کے ذریعے زندہ ہے، جب تک تو (یعنی مسلمان) اس کا طواف کرتا رہے گا (یعنی اس کو اپنا سیاسی و مذہبی مرکز مانے گا)، قائم و دائم رہے گا۔)

مسلم امت بڑی آزمائشوں سے گزر کر ابھی تک موجود ہے۔ اس کو مِٹانے کے لیے بڑی بڑی کوششیں کی گئیں، لیکن کوئی قوم اس کو ناپید نہ کر سکی۔ تاریخ گواہ ہے کہ دوسری تمام قومیں زمین سے مِٹ گئیں اور اُن کا وجود باقی نہ رہا، جیسے قیصرو کسریٰ وغیرہ، لیکن مسلم امت، باوجود یہ کہ بڑے بڑے فتنوں سے دوچار ہوئی، مگر اس کا وجود اب تک قائم ہے۔

یونان و مصر و روما سب مِٹ گئے جہاں سے

اب تک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا ۱۹

تاریخ کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے اندر کوئی ایسا لائحہ عمل موجود ہے جو اُن کو زوال سے بچالیتا ہے اور وہ ہے عقیدۂ توحید۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

توحید کی امانت سینوں میں ہیں ہمارے

آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا [۲۰]

اگر مسلمان مِلّت گری کے فروغ کے لیے کام کریں تو قوم پرستی از خود خاک میں دفن ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ قوم پرستی کی ترقی اور اُس کے فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے تو مِلّی تصور خود بخود زوال پذیر ہوگا، کیونکہ قوم پرستی کی بنیاد انسانی دماغ سے نکلنے والے ہر اُس فکر و فلسفہ پر ہے جس میں وحدانیت کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ لیکن مِلّت گری کا تصور اسلام سے وابستہ ہے اور اس کی تمام اکائیاں وحدانیت پر منحصر ہیں۔ اس کے قانون کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ عملاً ہر شخص ان دو تصورات میں سے کسی ایک ہی کے ساتھ وابستگی اور وفاداری رکھ سکتا ہے۔ مسلمان اُسی وقت تک مسلمان رہ سکتے ہیں جب تک ان کی زندگی کے تمام پہلو اسلامی نقطہ نظر کے حامل ہوں۔ اگر انھوں نے اپنی مِلّی اور سیاسی زندگی میں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا اور اسلام کے بعض احکام پر عمل کیا اور بعض کو چھوڑ دیا تو انھیں ابتر صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مِلّت اسلامیہ دراصل نبوت کے ماننے والوں پر مشتمل ایک ایسی جماعت کا نام ہے جس نے زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کی غیر مشروط اطاعت پر زور دیا ہے۔ مِلّت کا یہ تصور حقیقی طور پر زمان و مکان اور نسلی، لسانی اور جغرافیائی سرحدوں سے کوسوں دور ہے۔ اس تصور سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تصور مِلّت اسلامیہ کو فرقہ بندی کی عینک سے دیکھنا ایک سنگین جرم ہے، کیونکہ اسلام کسی خاص گروہ کے ساتھ منسلک نہیں ہے۔ اسلام نے اپنے عالم گیر کردار کی وجہ سے بہت کم مدت میں دنیا کے اکثر و بیشتر حصّے پر اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ اسلامی تاریخ کے آغاز میں مسلمانوں کی پہلی نسل جس حیرت انگیز طریقے سے پوری دنیا پر چھا گئی اس کے پیچھے ایک بڑا محرک کتاب و سنت سے تشکیل پانے والا قلبِ سلیم تھا۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ قرآن و سنت رہتی دنیا کے لیے ایک زندہ ہدایت ہے۔ اسلام کے ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت کی تعلیمات کو روبہ عمل لا کر ایک عالم گیر مِلّت کے قیام کے لیے راہ ہموار کریں۔ علامہ اقبالؒ نے اسی تصور کو اپنی شاعرانہ فکر سے اُجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

حواشی و مراجع

۱۔ جامع انسائیکلوپیڈیا اردو، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص ۵۱

۲۔ ڈاکٹر تسکینہ فاضل، علامہ اقبال اور ان کے معاصر شعرا اور ادبا، فاضل پبلی کیشنز، سرینگر کشمیر، ۲۰۰۳، ص ix-v

۳۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۹۳

۴۔ رموز بے خودی، کلیات فارسی، ص ۹۲

۵۔ پیام مشرق، کلیات فارسی، ص ۱۲۹

۶۔ رموز بے خودی، کلیات فارسی، ص ۱۱۲

۷۔ اسرار و رموز، کلیات فارسی، ص ۱۱۶

۸۔ بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۲۷

۹۔ ایضاً، ص ۲۶۷

۱۰۔ Paul Lawrence: Nationalism: History and Theory, Pearson publication, 2005

۱۱۔ بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۸۱

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۴۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۱۴۔ پیام مشرق، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۵۲

۱۵۔ بانگِ درا، کلیات اقبال اردو، ص ۳۸۲

۱۶۔ بانگِ درا، کلیات اقبال، (اردو)، ص ۲۲۷، ۳۵۲-۳۵۳

۱۷۔ اسرارِ رموز، کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۱۵

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۱۹۔ بانگِ درا، کلیات اقبال، (اردو)، ص ۱۱۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۲۵

☆☆☆

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی

چند اردو مطبوعات

	کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱	معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	۱۳۷	۹۰
۲	مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰
۳	مشترکہ خاندانی نظام اور نظریہ اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۰۲	۴۰
۴	وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۹۲	۴۰
۵	آزادیٔ فکر و نظر اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۲۸	۴۰
۶	قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰
۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۰۰	۵۰
۸	اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۸۴	۴۵
۹	کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۶۰	۲۰
۱۰	جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲۲۴	۵۰
۱۱	مسلمانوں کی حقیقی تصویر	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱۶۴	۵۵
۱۲	عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱۳۶	۳۰
۱۳	شیئر بازار میں سرمایہ کاری	ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	۱۵۶	۴۵

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابو الفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

تعارف وتبصرہ

کتب سابقہ میں سید المرسلین سے متعلق بشارتیں — ڈاکٹر مقصود احمد

ناشر: ادارہ توازن، ۴۵۴، نیاپورہ، مالیگاؤں (مہاراشٹر) صفحات: ۲۳۴، قیمت -/۲۰۰ روپے

متاخرین علمائے اسلام میں جن حضرات نے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ سے متعلق بائبل کی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں اہم ترین نام مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا ہے۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف 'اظہار الحق' ہے، جس کا تحقیقی ترجمہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ اصلاً تو تین جلدوں میں ہے، لیکن مزید ایک جلد میں مترجم کے افادات اور اضافے نیز بائبل کی تصحیف پر تنقیدات ہیں۔ دوسری کتاب، جس میں رسول اکرم ﷺ سے متعلق بشارتوں کے سلسلے میں پوری بائبل کا استقصاء کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی 'رحمۃ للعالمین' ہے۔ تیسرے نمبر پر یہ مواد سر سید مرحوم کی کتاب 'خطبات احمدیہ' میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے اپنی 'تفسیر حقانی' میں، مولانا مودودیؒ نے 'تفسیر تفہیم القرآن' میں، مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے 'تفسیر تدبر قرآن' میں، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے 'قصص القرآن' میں، علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ نے 'سیرۃ النبی کی جلد اول وسوم میں، مولانا مودودیؒ نے 'سیرت سرور عالم' (یہ مولانا مودودی کی، سیرت سے متعلق تحریروں کا مجموعہ ہے) میں اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے 'النبی الخاتم' میں بھی اس موضوع پر خاصا مواد پیش کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی اپنی انگریزی تفسیر میں بشارات نبویؐ پر گفتگو فرمائی ہے۔☆

زیرِ نظر کتاب کے مصنف ڈاکٹر مقصود احمد نے ان تمام کتب سے استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے کوشش کی ہے کہ اصل (original) حوالوں سے استناد کریں۔ اگر کہیں ثانوی حوالوں سے سابقہ پڑا ہے تو کوشش کی ہے کہ اصل سے اس کا تقابل کرلیں۔ اختلافِ نسخ مخطوطات کا

☆ تحقیقات اسلامی، جنوری۔ مارچ ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر محمد ذکی سابق استاد شعبۂ تاریخ، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا ایک مقالہ بہ عنوان 'وہ نبی۔ جس کا انتظار تھا' شائع ہوا تھا۔ اس میں بھی بائبل کی بشارات نبوی سے بحث کی گئی ہے۔ (رضی الاسلام)

ایک اہم پہلو ہوا کرتا ہے، لیکن بائبل کے معاملہ میں تو یہ تمام ہی محققین کا اہم عنوان رہا ہے۔ مصنف نے اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور اس ذیل میں اردو، عربی اور انگریزی بائبل کے ترجمے ان کے پیش نظر رہے ہیں۔ چونکہ بائبل کے ترجموں کو بھی بائبل ہی کہا جاتا ہے اس لیے ہر تحریف اور ہر تبدیلی بائبل بن جاتی ہے۔ انھوں نے ان اختلافات کو بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ ایک ہی پیشین گوئی کو مختلف مترجمین نے کس طرح اپنے اپنے طور پر پیش کیا ہے۔

فاضل مصنف نے بشارات نبوی پر مفصل گفتگو کرنے کے لیے تین ابواب قائم کیے ہیں۔ باب اول میں عہد نامہ قدیم (Old Testament) کی بشارتیں ہیں۔ باب دوم میں انجیل برناباس (جسے عیسائی علماء نے الحاقی قرار دے کر رد کر دیا ہے) میں درج بشارتوں کا ذکر ہے۔ تیسرے باب میں وہ بشارتیں ہیں جو عہد نامہ جدید (New Testament) میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد تعلیقات و حواشی ہیں، جن میں اعلام، جغرافیہ، تاریخ، اختلافات ترجمہ ولغات اور مسلم محققین کی آراء کو نتیجہ خیز طریق سے یکجا کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے مقدمہ میں مؤلف نے بتایا ہے کہ عہد نبوی میں یہود مدینہ کے تین گروہ تھے۔ ایک وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی سمجھتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ نبوت بنی اسرائیل کے لیے خاص ہے۔ تیسرا گروہ نبوت کا تسلسل اور اس کی عمومیت کا قائل تھا۔ اسی گروہ کے علماء رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے۔ موصوف نے اس تحقیق میں مولانا مجیب اللہ ندویؒ کی تصنیف 'اہل کتاب صحابہ وتابعین' سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے حوالہ سے انھوں نے رسول گرامی ﷺ کی زندگی میں ان پیشین گوئیوں سے متأثر ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کی ایک فہرست دی ہے۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ نجاشی اور اس کے بیٹے کا تذکرہ ہے، جس کا جہاز سمندر کے تھپیڑوں کی نذر ہو گیا تھا اور وہ اور اس کے ساتھی صحابیت کے شرف سے محروم رہ گئے تھے۔

آسمانی کتابوں کی پیشین گوئیاں ناموں کے ساتھ نہیں، بلکہ علامتوں کے ساتھ ہوا کرتی ہیں۔ اسی لیے عیسائی حضرات ان پیشین گوئیوں کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

ٹھہراتے ہیں، لیکن سیاق وسباق سے ان کی تاویلات کی قلعی کھل جاتی ہے۔

مصنف نے کتاب کے باب اول میں عہد نامہ قدیم کی کتاب پیدائش سے ۳ حوالے اور کتاب استثناء سے ۵ حوالے نقل کیے ہیں۔ کتاب پیدائش کے تینوں حوالے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور ان کی ذریت سے متعلق ہیں۔ ان بشارتوں میں حضرت ہاجرہ سے یہ بات صاف طور سے کہی گئی ہے کہ اللہ ان کی نسل سے ایک بڑی قوم پیدا کرے گا، جو صاحب جاہ ومملکت ہوگی اور اس کا امتیازی قانون بھی ہوگا۔ یہ بات تقریباً تمام علمائے بائبل کو تسلیم ہے۔

کتاب استثناء سے منقول بشارتوں میں سے دو بشارتیں بہت اہم ہیں۔ ان پر تمام ہی علمائے اسلام نے قابل قدر اور مفصل بحثیں کی ہیں اور ان کا مصداق حضرت محمد ﷺ کو ٹھہرایا ہے۔ یہ بشارتیں اس طرح ہیں: 'خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا' (استثناء: ۱۸/۱۵)۔ 'میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا' (استثناء: ۱۸/۱۸)۔ کتاب استثناء کی ان بشارتوں کو جمع کر کے علمائے اسلام نے ان کے رسول اکرم ﷺ پر منطبق ہونے کے بارے میں کم ازکم دس دلائل دیے ہیں اور حضرات موسیٰ ومحمد علیہما السلام والتسلیم کے درمیان کم ازکم بیس مشترک اقدار کی نشان دہی کی ہے۔ یہ دلائل مولانا کیرانوی، سرسید اور قاضی سلیمان منصور پوری نے دیے ہیں۔

کتاب استثناء کے باب ۳۳ کی آیت نمبر ۲ میں ہے: 'خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدوسیوں (کیتھولک بائبل میں ۱۰/ ہزار کی تعداد ہے، جو فتح مکہ کے شرکاء کی تعداد کے مماثل ہے) میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں آسمانی شریعت تھی'۔ سینا، شعیر اور فاران کی نسبت حضرات موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام کی طرف ہونے پر علمائے اسلام نے جو دلائل دئے ہیں ان میں عیسائیوں کے اس دعویٰ کا رد بھی شامل ہے جو انہوں نے 'فاران' کے بیت المقدس میں واقع ہونے پر دیے ہیں۔ یہ

تمام تر دلائل بائبل ہی سے ماخوذ ہیں۔

زبور (Psalms) حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ۱۵۰ مزامیر (نغموں) کا ایک مجموعہ ہے۔ ان میں سے مزمور نمبر ۴۵ اور مزمور نمبر ۱۴۹ کا مصداق حضور اکرم ﷺ کے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ ان کے علاوہ مزمور نمبر ۸۴ میں بھی تین آیتیں (آیات ۴ تا ۶) اسی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مؤلف نے زبور کے درج بالا مزامیر میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو اشارات پائے جاتے ہیں انہیں 'اظہارالحق' کے اردو ترجمہ کی مدد سے متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف تین صحیفے منسوب ہیں: (۱) امثال (۲) واعظ (۳) غزل الغزلات۔ مؤلف نے ان میں سے آخری صحیفہ 'غزل الغزلات' (۵:۱۰ تا ۱۶) میں سے ایک پیشین گوئی سرسیدؒ کی تصنیف 'خطبات احمدیہ' کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ یہ پیشین گوئی غزل الغزلات میں انہی الفاظ میں موجود ہے، لیکن حضور اکرم ﷺ کا اسم گرامی، جو اسم علم ہے، جہاں آیا ہے اسے الگ الگ زبانوں اور الگ الگ اڈیشنوں میں مختلف الفاظ سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سرسیدؒ نے اس پیشین گوئی میں عبرانی عبارت بھی نقل کی ہے، جس میں 'محمدیم' کا لفظ صاف طور پر موجود ہے۔ اسم علم کا ترجمہ کرنا عبارت کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کرنا ہے، لیکن عیسائی علماء کے نزدیک یہ کارِ ثواب ہے۔ اس پیشین گوئی کی تفصیل میں جاتے ہوئے مؤلف نے 'پرانوں' کے بھی حوالے دئے ہیں اور اصل سنسکرت کے الفاظ نقل کیے ہیں، جن میں 'محمدؐ' کا نام صاف طور سے موجود ہے۔ بائبل کی کتاب 'یسعیاہ' سے موصوف نے آٹھ بشارتیں نقل کی ہیں۔ ان بشارتوں پر سرسیدؒ، قاضی سلیمانؒ اور مولانا کیرانویؒ نے مفصل بحثیں کی ہیں۔

بائبل کی کتاب یسعیاہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ مذکورہ واضح پیشین گوئیوں کے علاوہ باب ۲۱ میں مہاجرین اور جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد 'قیدار' اور 'تیما' کا نام بھی آیا ہے، نیز باب نمبر ۶۰ میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے ہی باب نمبر ۵۴ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نیز ان کی اولاد کو برکت سے

مالا مال کرنے کے علاوہ مکہ مکرمہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

کتاب 'یرمیاہ' کے باب ۴۹ کی آیات ۲۸ و ۲۹ میں مکہ اور اطرافِ مکہ میں بسنے والے آل اسمٰعیلؑ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بشارت 'رحمۃ للعالمین' سے نقل کی گئی ہے۔

کتاب 'دانیال'، کتاب 'حبقُّوق'، کتاب 'حجّی' اور کتاب 'ملاکی' سے مؤلف نے پانچ بشارتیں نقل کی ہیں ('حجّی' سے دو اور بقیہ سے ایک ایک)۔ان میں سے 'دانیال' کی بشارت کی زیادہ اہمیت ہے، کیونکہ یہ ایک ایسے خواب کے بیان پر مشتمل ہے جسے بادشاہ بخت نصر دیکھنے کے بعد بھول جاتا ہے۔ دانیال نبی علیہ السلام اسے خواب یاد دلاتے ہیں اور اس کی تعبیر بھی بتاتے ہیں۔ اس بشارت کو مسلمان علماء نے رسول اکرم ﷺ سے متعلق بتایا ہے۔اسی طرح حبقّوق کی بشارت میں 'مدیان' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جسے مسلمان علماء مکہ والوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ان بشارتوں پر سرسیدؒ اور قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے تفصیل سے کلام کیا ہے۔

ڈاکٹر مقصود احمد نے انجیل برناباس کی بشارتوں کے لیے بھی ایک علٰحدہ باب قائم کیا ہے، کیونکہ یہ انجیل مروجہ اناجیل اربعہ کے برخلاف عقیدۂ توحید کی توثیق کرنے کے علاوہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو حضرت محمد ﷺ کا مبشّر قرار دیتی ہے۔ مؤلف کتاب نے اس انجیل کے بارے میں مولانا مودودیؒ کی تحقیق اپنے اضافات کے ساتھ مختصراً حاشیہ میں نقل کی ہے۔

انجیل برناباس میں بشارات نبوی کے تعلق سے بہت مواد ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب نے صرف دس اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو صرف بنی اسرائیل کا نبی اور اپنے بعد آنے والے نبی (حضرت محمد ﷺ) کو پوری دنیائے انسانیت کا نبی قرار دیا ہے۔ انہوں نے حضرت مسیحؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ 'میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس رسول کی جرابوں کے بند یا جوتیوں کے تسمے کھول سکوں ....(وہ) مجھ سے پہلے بنایا گیا اور میرے بعد آئے گا'۔اس انجیل میں رسول ﷺ کا اسم گرامی 'محمدؐ' بار بار آیا ہے، جو کتب سابقہ کی بشارات کے اصولوں کے خلاف ہے، اس لیے فاضل مؤلف نے اس اسم علم کے بارے میں مولانا مودودیؒ کی ایک مفصل توضیح پیش کی ہے۔اس انجیل میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیتِ توبہ کے ذیل میں دوبار کلمۂ طیبہ کا اقرار ہے۔ان بشارتوں میں یہ بھی

موجود ہے کہ 'وہ نبی' جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ دے رہے ہیں، آخری نبی ہوگا۔ اس کے بعد دعوائے نبوت کرنے والے 'جھوٹے نبی' ہوں گے۔

عہد نامہ جدید (New Testament) کی بشارتوں میں مؤلف کتاب نے پہلے 'اناجیل اربعہ' متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی بشارتوں کو لیا ہے، جن میں مرقس (Mark) اور لوقا (Luke) کی بشارتیں بہت مختصر ہیں، البتہ متی (Mathew) اور یوحنا (John) کی بشارتوں پر مفصل کلام ہے۔ انجیل متی میں زیادہ تر حضرت یسعیاہ علیہ السلام کی بشاروں کے حوالہ سے گفتگو ہے، لیکن انجیل یوحنا میں کئی نکتے ہیں۔ مثلاً حضرت الیاس علیہ السلام (Elijah) اور حضرت یحییٰ علیہ السلام (John) کی تقدیم و تاخیر پر گفتگو، 'وہ نبی' (آنحضرتؐ) کے تسمیہ پر کلام اور اسم 'احمد' (اسم علم) کا ترجمہ کر دینے پر گفتگو وغیرہ۔

اناجیل اربعہ کے بعد مؤلف نے کتاب 'اعمال' (Acts) کی ایک بشارت نقل کی ہے۔ اس کے بعد 'عہد نامہ جدید' کی آخری دو کتابوں 'یہوداہ کا عام خط' (Jude) اور 'مکاشفہ یوحنا' (Revelations) کی بشارتوں پر گفتگو کی ہے۔ یہوداہ کے خط میں حنوک (Enoch)، جنہیں مسلمانوں میں حضرت ادریس علیہ السلام کے نام سے جانا جاتا ہے، کی ایک بشارت ہے، جس میں لکھا ہے کہ 'خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا'۔ یہ تعداد مختلف زبانوں اور مختلف فرقوں کی بائبل میں مختلف ہے۔ کیتھولک کے انگریزی ترجمہ میں بجائے 'لاکھوں' کے 'دس ہزار کا عدد لکھا ہوا ہے، جو فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے رفقاء کی تعداد کے مماثل ہے۔ اگر لاکھوں کے عدد کو اختیار کیا جائے تو یہ عدد حجۃ الوداع پر صادق آئے گا۔

'مکاشفہ یوحنا' عہد نامہ جدید کا آخری صحیفہ ہے۔ مؤلف نے اس سے دو بشارتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک اسی بشارت کے مثل ہے جو 'امثال سلیمان' کے تحت گزر چکی ہے۔ دوسری بشارت اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ 'سفید گھوڑے کا سوار'، 'راستی کے ساتھ'، 'انصاف کرنے والا' .... وغیرہ۔ یہ تمام صفات صرف رسول گرامی ﷺ کے اوپر بتمامہ صادق آتی ہیں۔ فاضل مؤلف نے اس جامع الصفات قبا کو حضرت محمد ﷺ کے اوپر راست

آنے پر قرآن، حدیث اور سیرت کی کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ انہیں بشارتوں پر اس قابل قدر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زیر نظر کتاب نہایت محنت سے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں مؤلف نے کوشش کی ہے کہ سیرت کی کتابوں میں جہاں جہاں بشاراتِ نبوی سے متعلق گفتگو ہے انہیں ایک سلسلہ میں مرتب کر دیا جائے۔ اس کے متن میں مؤلف کا اپنا مواد تو بہت کم ہے، لیکن ان کے اضافات دراصل وہ بیش قیمت حواشی ہیں جو آخر میں ملحق ہیں۔ ان حواشی میں شخصیات، تاریخ، جغرافیہ اور بعض علمی اختلافات پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، جو خود ایک تحقیق کا درجہ رکھتی ہے۔ ڈاکٹر مقصود احمد الٰہ آباد یونیورسٹی کے طالب علم رہے ہیں اور اس وقت بڑودہ یونیورسٹی میں پروفیسر اور شعبہ عربی وفارسی و اردو کے صدر ہیں۔

مؤلف نے صفحہ ۱۴ پر ایک صحابی کا نام 'مخریق' لکھا ہے، جب کہ احادیث میں ان کا نام 'مـخیریق' آتا ہے۔ صفحہ ۸۱ پر ڈوزی کو فرنچ محقق لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ ڈچ تھا اور ہالینڈ سے تعلق رکھتا تھا۔ مؤلف نے غالبًا خوش عقیدگی کے تحت بہت سی جگہوں پر حضور ﷺ کو 'حضور پر نور' لکھا ہے۔ حدیث اول مـا خـلق الله نوری محدثین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ قرآن میں آپؐ کے لیے جو لفظ 'نور' (المائدۃ: ۱۵) استعمال ہوا ہے اس سے مراد 'نور ہدایت' ہے، حضور ﷺ کا نوری مخلوق ہونا نہیں ہے، جیسا کہ اکثر خوش عقیدہ لوگوں کی دلیل ہے۔

(محمود حسن الٰہ آبادی)

کتابِ الٰہی کے پانچ مطالبات ڈاکٹر فضل الرحمٰن

ناشر: حکمتِ قرآن انسٹی ٹیوٹ، کراچی، ۲۰۱۲ء، صفحات: ۱۲۵، قیمت درج نہیں۔

مسلمانوں کی عظمت وعزت قرآن کریم سے وابستہ ہے۔ جب تک ان کا رشتہ اس سے استوار رہا وہ دنیا کے امام بنے رہے اور دیگر قومیں ان کے سامنے سرنگوں رہیں، لیکن جب ان کا رشتہ اس سے کمزور ہوا اور اس سے ان کا تعلق برائے نام باقی رہ گیا تو ان کی ہوا اکھڑ گئی، دیگر قومیں ان پر شیر ہوگئیں اور وہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔ کہنے کو تو وہ قرآن کو اللہ کی

کتاب مانتے اوراس پر ایمان کا دم بھرتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس کی حیثیت 'کتاب مہجور' کی ہوکر رہ گئی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کریم پر ایمان لانے کے کیا تقاضے ہیں؟ اور وہ اپنے ماننے والوں سے کیا مطالبات کرتا ہے؟

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنّوری علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں شعبۂ دینیات (سنّی) میں پروفیسر و چیرمین اور دینیات فیکلٹی کے ڈین رہ چکے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے سعودی عرب کی یونیورسٹیوں جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض اور بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کوالالمپور ملیشیا میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ آخر میں سرسید یونی ورسٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹکنالوجی کراچی میں اسلامیات کے پروفیسر رہے ہیں۔ ان کی تصنیف 'زمخشری کی تفسیر الکشاف: ایک تحلیلی جائزہ' کو، جو مسلم یونی ورسٹی کے پبلی کیشن ڈویژن سے شائع ہوئی تھی، علمی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ زیرِ نظر کتاب اصلاً ایک مقالہ ہے، جو ۱۹۷۴ء میں مولانا تقی امینی مرحوم ناظم دینیات مسلم یونی ورسٹی کے پندرہ روزہ جریدہ 'احتساب' کی کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا، پھر ماہ نامہ 'تہذیب' کراچی میں، جو مسلم یونی ورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کراچی کا ترجمان ہے، اس کی دوبارہ اشاعت ہوئی۔ اب بعض اضافوں کے ساتھ اسے کتابی صورت میں طبع کیا گیا ہے۔

فاضل مصنف کے الفاظ میں اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم انسانوں سے پانچ مطالبات کرتا ہے۔ اول: ایمان، یعنی اسے آخری صحیفۂ الٰہی کے بہ طور دل سے تسلیم کریں۔ دوم: تلاوت، یعنی اسے پڑھنا اپنی زندگی کے معمولات میں شامل کرلیں۔ سوم: تدبر وفہم، یعنی قرآن کا غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کریں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اللہ کی یہ کتاب انسانی زندگی میں کن انفرادی و اجتماعی تبدیلیوں کی دعوت دیتی ہے۔ چہارم: عمل، یعنی اپنی اعتقادی اور عملی زندگی کو قرآن کے فراہم کردہ سانچے میں ڈھالیں اور ہر معاملے میں اسے اپنا رہبر و راہ نما بنائیں۔ پنجم: اشاعت وتبلیغ، یعنی قرآن کا علم حاصل کرنے کے بعد جہاں تک ان کی صلاحیت وقوت اور حالات اجازت دیں، اس کی تعلیمات کو عام کریں، دوسروں تک پہنچائیں، دنیائے انسانیت کو ان تعلیمات کی برکتوں سے آشنا کریں اور انھیں اس راہ پر چلنے

کی ہر ممکن ترغیب دیں۔ (ص ۱۲۵)

مصنف نے ان نکات کی بہت موثر اور دل نشیں تشریح کی ہے۔ خاص طور سے انھوں نے قرآن کی تلاوت، تدبر اور عمل کے پہلوؤں سے مفصل بحث کی ہے، اس سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے، تدبرِ قرآن سے فرار کی مختلف وجوہ کا تجزیہ کیا ہے اور اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے کہ قرآن کے مطلوب انسان میں کیا خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

یہ کتاب پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ ہندوستان سے بھی اس کی اشاعت کی کوئی سبیل نکالنی چاہیے۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات ومطبوعات-ایک مطالعہ ڈاکٹر ضیاءالدین فلاحی

ناشر: ایفا پبلی کیشنز، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵، ۲۰۱۲ء، صفحات: ۲۷۹، قیمت-/۱۶۰ روپے

علمائے ہند نے علوم اسلامی کے تمام میدانوں میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں، لیکن فقہ واصول فقہ ان کی توجہ کا خاص مرکز رہا ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں کتابیں تصنیف کی ہیں، شروح، حواشی اور تعلیقات لکھے ہیں، فتاویٰ کے مجموعے تیار کیے ہیں اور نصابی کتابیں بھی مرتب کی ہیں۔ شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے استاد ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی کو اس موضوع سے خصوصی دل چسپی ہے۔ انھوں نے علمائے ہند کی فقہی خدمات کو اپنے مطالعہ وتحقیق کا موضوع بنایا، پہلے 'برصغیر ہند میں علوم فقہ اسلامی کا ارتقاء' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا، جس میں فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کا تذکرہ اور ان میں سے کچھ اہم کتابوں کا تفصیلی تعارف کرایا تھا۔ اس پر انھیں ایم فل کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔ پھر انھوں نے 'برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات و مطبوعات- ایک مطالعہ' کے عنوان سے دوسرا تحقیقی مقالہ تیار کیا، جس پر انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری سے نوازا گیا، یہ موخر الذکر مقالہ دراصل ان کے پہلے تحقیقی مقالے ہی کا تکملہ اور توسیع ہے، جس میں علمائے ہند کی عربی زبان میں انجام پانے والی فقہی خدمات کا تعارف اور تجزیہ کیا

گیا ہے۔ یہ دونوں مقالے اصلاً انگریزی زبان میں لکھے گئے تھے اور شائع شدہ تھے۔ اب مؤلف نے خود ہی انہیں اردو کا جامہ پہنایا ہے اور اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی کے اشاعتی ادارہ سے ان کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ (ایم فل کے مقالے کا تعارف تحقیقات اسلامی، اپریل - جون ۲۰۱۲ء میں کرایا جاچکا ہے)

زیرِ نظر کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں فقہ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا اجمالی تذکرہ ہے۔ اس عہد کو عہد سلطنت، عہد مغلیہ اور نو آبادیاتی دور میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب دوم میں فقہ کی بنیادی کتب، شروح، حواشی و تعلیقات اور اصول فقہ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کی الگ الگ فہرستیں تیار کی گئی ہیں۔ بنیادی کتب کی موضوعاتی درجہ بندی کی گئی ہے۔ ان میں ارکان اربعہ، خاندانی مسائل، اقتصادیات، تعزیرات، سماجی رسوم و رواج، اجتہاد و تقلید، عدالتی نظام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ہر موضوع کے تحت آنے والی کتاب کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے کیا گیا ہے اور اس کی طباعتی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ باب سوم میں چند اہم کتب فقہ کا تفصیل سے تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ باب چہارم کو فتاویٰ تاتارخانیہ کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے خاص کیا گیا ہے۔ باب پنجم میں فقہاء ہند کے فکری منہج کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں چند تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تعارف میں مطبوعہ کتابوں کے ساتھ مخطوطات کو بھی شامل کیا گیا ہے اور یہ مخطوطات کن کتب خانوں میں محفوظ ہیں ان کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ فاضل مصنف کو بعض قلمی کتابوں کے طبع ہوجانے کی خبر نہیں ہوسکی ہے۔ مثلاً فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'ہدایہ' پر حاشیہ لکھنے والوں میں انھوں نے اللہ داد جون پوری (م ۱۵۱۷ء) کا بھی تذکرہ کیا ہے اور ان کے حاشیہ کو مخطوطہ بتایا ہے، حالاں کہ یہ حاشیہ ہدایہ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی کے ساتھ عرصہ سے طبع ہو رہا ہے۔ اسی طرح بعض اور کتابوں کا ذکر مخطوطات کی حیثیت سے کیا گیا ہے، مثلاً مسلّم الثبوت، فواتح الرحموت، صنوان القضاء، حالاں کہ یہ کتابیں طبع ہوچکی ہیں۔

کتاب کے آخر میں مصنف نے اصطلاحات کی فرہنگ مرتّب کردی ہے، جو بڑی

مفید ہے۔ نیز انھوں نے کتاب میں مذکور کتب و رسائل، فتاویٰ و شروح، حواشی وتعلیقات، اسی طرح مصنفین و مؤلفین، شارحین وحاشیہ نگاران اور مقامات کا اشاریہ بھی حروف تہجی کی ترتیب سے مرتّب کردیا ہے۔ یہ چیز کتاب سے استفادہ میں بہت معاون ہوسکتی تھی، لیکن صفحات کے نمبر درج نہ ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت ختم سی ہوگئی ہے۔

اس اہم اور مفید علمی خدمت پر فاضل مصنف علمی حلقوں کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں۔ امید ہے اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔ (م-ر)

دین میں ترجیحات

علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی

مترجم: گل زادہ شیر پاؤ

ناشر: منشورات، E-61، اسکالر اپارٹمنٹ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی، ۲۰۱۲ء، صفحات: ۴۰۸، قیمت -/۲۰۰ روپے

دین اصلاً اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایات کا نام ہے اور انسانوں سے ان پر ہر حال میں عمل کرنا مطلوب ہے۔ مگر وہ اس دنیا میں مختلف احوال میں زندگی گزارتے ہیں، مثلاً غربت و امیری، صحت و مرض اور سفر و حضر وغیرہ۔ ظاہر ہے، امیری، صحت اور حضر کے احکام الگ ہیں اور غربت، مرض اور سفر کے احکام الگ۔ اسی طرح احکام کی نوعیت میں بھی فرق پایا جاتا ہے، جیسے فرض، واجب اور مستحب وغیرہ۔ فرض کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔ واجب اور مستحب میں بھی نمایاں فرق ہے۔ ہر ایک پر عمل یکساں طور سے مطلوب نہیں ہے۔ کوئی مقدم ہے تو کوئی مؤخر، کوئی افضل ہے تو کوئی مفضول، کوئی مرجوح ہے تو کوئی راجح۔ یہ تمام باتیں اصول فقہ میں مسلّم رہی ہیں، مگر گذشتہ کچھ سالوں سے امت مسلمہ انتشار اور افراتفری کی صورت حال سے دوچار ہے۔ ان کے درمیان ہر معاملے میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ بعض امور میں اتنا مبالغہ کیا جاتا ہے کہ اس سے دین کی بعض دوسری اہم تعلیمات مجروح ہوتی ہیں اور بعض اہم امور کو اس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے جیسے ان کی اسلام میں کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ جزئیات وفروع پر عمل کے سلسلے میں ان کے درمیان خون خرابہ تک کی نوبت آجاتی ہے۔ حالاں کہ فروع پر عمل مستحب یا زیادہ سے زیادہ سنت ہی ہوسکتا ہے، جب کہ قتال و

جدال سے بچنا واجب ہے۔ اسی طرح ایک حکم ایک وقت میں قرینِ مصلحت ہوسکتا ہے، جب کہ وہی حکم دوسرے وقت میں یا دوسرے مقام پر خلافِ مصلحت قرار پاسکتا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب اسی اہم موضوع سے بحث کرتی ہے۔

یہ کتاب گیارہ اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ ان کے عناوین یہ ہیں:

موجودہ دور میں امت کو ترجیحات کی ضرورت واہمیت، مسئلہ ترجیحات اور دوسرے مسائل، مقدار پر معیار کی ترجیح، علم وفکر میں ترجیحات، فتویٰ اور دعوت میں ترجیحات، عمل میں ترجیحات، مامورات میں ترجیحات، منہیات میں ترجیحات، اصلاح میں ترجیحات، ترجیحات اور ہمارا ورثہ، مصلحینِ عصر کی دعوت اور ان کی ترجیحات۔

اس کتاب کے مصنف علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی عالم اسلام کی معروف شخصیت ہیں۔ وہ دین کی تجدید اور ملت کی رہ نمائی اور اصلاح کا فریضہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے دین پر عمل کے بارے میں امت مسلمہ کے درمیان افراط و تفریط کا مشاہدہ کیا تو 'فی فقہ الاولویات' کے نام سے عربی میں ایک مبسوط کتاب لکھی۔ یہ کتاب اسی کا اردو ترجمہ ہے۔ جناب گل زادہ شیر پاؤ نے ترجمے کی خدمت انجام دی ہے۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

اس کتاب میں زیر بحث موضوع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے دین کا وہ فہم حاصل ہوتا ہے جس سے مختلف احکام میں ترجیحات کی تعیین میں مدد ملتی ہے۔ فاضل مصنف نے ترجیحات کی تعیین میں قرآن و حدیث سے دلائل دیے ہیں اور اپنی بات کو مثالوں سے بھی واضح کیا ہے۔ ترجیحات کی بحث اسلاف کے یہاں بھی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے غزالی، راغب اصفہانی، ابن تیمیہ، ابن جوزی اور ابن قیم رحمہم اللہ کے اقوال اپنی تائید میں پیش کیے ہیں۔ نیز عصر حاضر کے مصلحین: محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ، سید محمد احمد مہدیؒ، سید جمال الدین افغانیؒ، امام محمد عبدہؒ، امام حسن البناءؒ، مولانا مودودیؒ، سید قطب شہیدؒ، استاذ محمد مبارکؒ اور شیخ محمد الغزالیؒ کے طرز عمل سے بھی استدلال کیا ہے۔

امید ہے، یہ کتاب اسلامی فکر کی درستی اور طریقۂ کار کی تعیین میں دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں کو رہ نمائی فراہم کرنے والی ثابت ہوگی، نیز امت کو افراط وتفریط کے بھنور سے نکلنے میں بھی مدد کرے گی۔ (محمد جرجیس کریمی)

اسلامی عمرانیات — ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی

(شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کا مطالعہ)

ناشر: القلم پبلی کیشنز، بارہمولہ کشمیر، ۲۰۱۲ء، صفحات: ۲۵۶، قیمت -/۱۶۰ روپیے

علم العمران یا عمرانیات کی اصطلاح دور جدید کی انگریزی اصطلاح Sociology کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ عصر حاضر میں احیاء اسلام کی عالمی تحریکیں چلیں تو مسلمانوں میں علوم وفنون کو اسلام کے بنیادی تصورات وعقائد کی روشنی میں ڈھالنے اور ان کی تشکیل نو کرنے کی بھی تحریک چلی۔ سماجی علوم کی تشکیلِ نو پر بطور خاص زور دیا گیا۔ رفتہ رفتہ اسلامی معاشیات کا مستقل علم وجود میں آ گیا، اس کے بعد نفسیات، سیاسیات، عمرانیات، تاریخ، تعلیم وتدریس، ابلاغیات اور دیگر علوم پر بھی توجہ دی جانے لگی۔

علم العمران یا سماجی علوم کو اسلام کا رخ دینے کا عمل ابھی تشکیلی مرحلے میں ہے، تاہم دوسرے علوم کی طرح اس فن کی ترقی وتکمیل کے بھی پورے امکانات موجود ہیں۔ اسلام کاری کے اس طویل عمل کا ایک ناگزیر مرحلہ اسلاف کی تحقیقات وافکار سے استفادہ اور ان کا تجزیہ بھی ہے۔ اس مرحلہ میں علامہ ابن خلدونؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے افکار کا خصوصی مطالعہ ناگزیر ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے عمرانی فکر و فلسفہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب درج ذیل سات اہم مباحث کا احاطہ کرتی ہے:

۱- اسلامی عمرانیات- تفہیم اور تاریخی ارتقاء، ۲- اللہ کی حجت- شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ۳- ارتفاقات کا فکری نظام، ۴- سیاسی افکار ونظریات (حجۃ اللہ البالغہ کے حوالے سے)، ۵- جابرانہ خلافت اور احادیث نبوی سے استدلال، ۶- ملت قصویٰ کا فلسفہ (البدور البازغۃ کا مطالعہ)، ۷- احسان وتصوف کے اصولی مباحث۔

ان موضوعات و مباحث پر فاضل مصنف نے مختلف مواقع پر مقالات قلم بند کیے تھے، جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب اصلاً انہی مقالات کا مجموعہ ہے۔ پہلے مقالے میں علم عمرانیات کے فکری ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ابونصر فارابی، ابن مسکویہ، ابن سینا، ابن رضوان اور علامہ ابن خلدون کا عمرانی نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے مقالہ میں شاہ ولی اللہ کی مختصر سوانح بیان کرنے کے ساتھ ان کی تجدیدی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ تیسری بحث میں شاہ صاحب کے عمرانی افکار، جو ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں 'ارتفاقات' کے عنوان کے تحت مذکور ہیں، بیان کیے گئے ہیں۔ چوتھی بحث میں ان کے سیاسی افکار و نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پانچویں بحث جابرانہ خلافت و امامت کے انعقاد، اسلامی حکومت کے مزاج، اجزائے ترکیبی، نظام کار، منہاج سیاست، شورائی نظام، امام کی معزولی اور ریاست کے استحکام جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔ چھٹی بحث میں ملت قصویٰ کا فلسفہ، شاہ صاحب کی کتاب البدور البازغہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ ساتویں بحث میں شاہ صاحب کے نظریۂ تصوف واحسان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اگرچہ اس کا تعلق انفرادی تعمیر سیرت سے ہے، مگر اس کے اصولی مباحث: عدالت، طہارت، اخبات اور سماحت کے ضمن میں عمرانی افکار سے مربوط ہیں۔

یہ کتاب سماجی علوم سے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے افکار و نظریات کو جامعیت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ فاضل مصنف نے شاہ صاحب کی تحریروں کے حوالے زیادہ تر براہ راست دیے ہیں، کہیں کہیں ثانوی مراجع سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کتاب کا انداز معروضی ہے۔ شاہ صاحب کے فکر و فلسفہ تک رسائی کی دیانت دارانہ کوشش کی گئی ہے، البتہ تجزیہ کرتے ہوئے کہیں کہیں تنقید کا پہلو نمایاں ہو گیا ہے۔ فی الجملہ کتاب قابل مطالعہ ہے، خصوصاً تجدید دین اور احیاء اسلام کے لیے فکر مند رہنے والوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (محمد جرجیس کریمی)

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۴۶)

☆ صدر ادارہ اور امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری کا ایک نیا کتابچہ 'قرآن کا نظام خاندان' کے عنوان سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس میں خاندان سے متعلق قرآن کی تعلیمات کا بڑی حد تک خلاصہ آ گیا ہے۔ صفحات: ۳۲، قیمت -/۱۸ روپے۔

☆ اس کے علاوہ مولانا عمری کی متعدد کتابوں کے نئے ایڈیشن مختصر عرصے میں منظر عام پر آئے ہیں: سوئے حرم چلا، طبع چہارم، صفحات: ۷۲، قیمت -/۳۲ روپے، وقتِ حساب، طبع چہارم، صفحات: ۳۰، قیمت -/۱۵ روپے، اسلام اور مشکلاتِ حیات، طبع چہارم، صفحات: ۴۸، قیمت -/۲۵۔ قرآن مجید کا تصور تزکیہ، طبع سوم، صفحات: ۳۲، قیمت -/۱۸ روپے۔

☆ مولانا عمری کی چند کتابیں حال میں اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی سے بھی شائع ہوئی ہیں۔ وہ یہ ہیں: خدا کی غلامی انسان کی معراج، صفحات: ۳۲، قیمت -/۳۰ روپے، بعض اہم اسلامی اصطلاحات اور ان کی تشریح، صفحات: ۲۴، قیمت -/۳۰ روپے، بچے اور اسلام، صفحات: ۱۲

☆ رکنِ ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی کی دو کتابیں حال میں مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔ ایک ہے: توحید اور قیام عدل۔ اس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی پر عقیدۂ توحید کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ صفحات: ۹۲، قیمت -/۵۰ روپے۔ دوسری کتاب کا نام ہے: اتحادِ امت کا مسئلہ- غور وفکر کے چند گوشے۔ اس میں امت مسلمہ میں انتشار وافتراق کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اتحاد کی تدابیر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ صفحات: ۷۲، قیمت -/۳۰ روپے۔

☆ ادارہ کے سلسلۂ توسیعی خطبات کے تحت ۱۶/ دسمبر ۲۰۱۲ء کو پروفیسر محمد صلاح الدین عمری سابق صدر شعبۂ عربی، (موجودہ ڈائریکٹر سر سید اکیڈمی) علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے 'عربی زبان وادب: جدیدیت و مابعد جدیدیت، کے عنوان سے ایک خطبہ پیش کیا۔ پروگرام کی صدارت پروفیسر سید احتشام احمد ندوی سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس کالی کٹ یونی ورسٹی نے فرمائی۔ مسلم یونی ورسٹی کے مختلف شعبوں کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ دیگر اہل علم اور دانش وروں نے اس میں شرکت کی اور سوالات وتاثرات کے ذریعے اپنی دل چسپی کا اظہار کیا۔

☆ ادارہ کی مجلس منتظمہ کا ایک خصوصی اجلاس ۱۵/ دسمبر ۲۰۱۲ء کو دفتر صدر ادارہ، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ اس میں چند اہم فیصلے کیے گئے: ایک یہ کہ ادارہ کے دو سالہ تصنیفی

تربیت کورس سے استفادہ کرنے والے طلبہ کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اوران کی اسکالرشپ کی رقم بھی بڑھادی جائے۔ دوسرے یہ کہ مناسب وقت پر کسی علمی موضوع پر کل ہند سطح کا سمینار منعقد کیا جائے۔ اسی اجلاس کے ایک اہم فیصلے کے تحت مسلم یونی ورسٹی کے بعض تجربہ کار اور سینیر اساتذہ کے مشوروں اوران کی گراں قدر آراء سے استفادہ کے مقصد سے ان کے اسماء گرامی ادارہ کی بعض مجالس میں شامل کیے گئے۔

☆ صدر ادارہ ۴/ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو مرحوم ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری سابق امیر جماعت اسلامی ہند و رکن مجلس منتظمہ ادارہ کی تدفین میں شرکت کرنے کے لیے اور ۳/ نومبر ۲۰۱۲ء کو اپنے ایک عزیز کی تقریب شادی میں شرکت کے مقصد سے علی گڑھ تشریف لائے۔ ان دونوں مواقع پر وابستگانِ ادارہ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

☆ ۱۶/ تا ۱۸/ نومبر ۲۰۱۲ء شمالی ہند کی مشہور دینی درس گاہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کی گولڈن جوبلی تقریبات منعقد ہوئیں۔ ان میں صدر ادارہ نے - جو اس کے شیخ الجامعۃ بھی ہیں- شرکت فرمائی۔ انھوں نے ایک مجلس کی صدارت بھی فرمائی اور مدارس کے نصاب تعلیم پر تفصیل سے اظہار خیال کیا۔ ان تقریبات میں ادارہ کے بعض وابستگان بھی شریک ہوئے۔ اس موقع سے مجلّہ تحقیقات اسلامی کے تعارف اور ترویج و اشاعت کی غرض سے ایک اسٹال بھی لگایا گیا۔

☆ ادارۂ تحقیق کے ایک بہی خواہ اور مجلّہ تحقیقات اسلامی کے قلم کار پروفیسر کبیر احمد جائسی کا ۷/ جنوری ۲۰۱۳ء کو انتقال ہوگیا۔ وہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے سابق صدر اور فارسی ادب کے نام ور محقق و مصنف تھے۔ تحقیقات اسلامی کو شروع ہی سے ان کا قلمی تعاون حاصل تھا۔ خاص طور سے ایران کی فارسی تفسیروں کے تعارف پر مشتمل ان کے بیش تر مقالات تحقیقاتِ اسلامی ہی میں شائع ہوئے تھے۔

☆ ذمہ دارانِ ادارہ عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ ادارہ کے کیمپس میں ایک مسجد تعمیر کی جائے، جس کا استعمال اسلامی مرکز کے طور پر ہو اور جہاں قرب و جوار کے چھوٹے بچوں، بچیوں اور ناخواندہ بڑے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بھی نظم ہو۔ الحمد للہ اس مسجد کی تعمیر کا آغاز ہو چکا ہے۔

☆ ادارہ کی موجودہ عمارت کی پہلی منزل کے باقی نصف حصہ کی تعمیر سے متعلق بعض کام عرصہ سے موخر چلے آرہے تھے۔ الحمد للہ ایک صاحبِ خیر کے تعاون سے ان کی تکمیل کی صورت نکل آئی ہے۔

☆☆☆

ہندستان کے موجودہ حالات

مسائل اور حل

انسان اور اس کے مسائل	مولانا سید جلال الدین عمری	40.00
ہندستان کے موجودہ حالات: مسائل اور حل	مولانا سید جلال الدین عمری	20.00
اسلام اور مشکلات حیات	مولانا سید جلال الدین عمری	25.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اسلام ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
دہشت پسندی اور اسلام	ڈاکٹر عبدالمغنی	14.00
گلوبلائزیشن اور اس کے معاشی وثقافتی اثرات	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	10.00
اسلام اور دہشت گردی	ڈاکٹر سید عبدالباری	15.00
اسلام اور مغرب کی کشمکش	سید قطب شہیدؒ	90.00
مابعد جدیدیت کا چیلنج اور اسلام	سید سعادت اللہ حسینی	12.00
ماحولیاتی بحران: اسباب وعلاج	پروفیسر سید مسعود احمد	35.00
تفہیمات اول تا چہارم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	565.00
تشدد اسباب ومحرکات	مجموعہ مضامین	25.00
دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	60.00
عصر حاضر میں ازدواجی زندگی کے مسائل مغرب کے تناظر میں	ڈاکٹر سید عبدالحلیم سلطان	35.00

آرڈر سے متعلق معلومات کے لیے براہ راست رابطہ کریں: 09971837957 معراج خالد [سیلز انچارج]

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone: 26971652, 26954341, 26946447(D) Fax: 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com • Website: www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81 | Quartely **Tahqeeqat-e-Islami** Aligarh | Mob. 09897655171 Phone: 0571-2902034

January............ 2013 | **March............2013**

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۴۰/	۲۰	دولت میں خدا کا حق	۱۰/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۵۵/	۲۱	انفاق فی سبیل اللہ	۲۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/	۲۲	انسان اور اس کے مسائل	۳۰/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۳۵/-۵۰/	۲۳	اسلام اور مشکلات حیات	۲۵/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۰۰/	۲۴	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۸۰/	۲۵	اسلام اور وحدت بنی آدم	۶/
۷	معروف و منکر	۸۵/	۲۶	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۸۰/
۸	اسلام کی دعوت	۱۴۰/	۲۷	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۲/
۹	اسلام-ایک دین دعوت	۱۰/	۲۸	جماعت اسلامی ہند-پس منظر خدمات اور طریقۂ کار	۲۰/
۱۰	ہندوستان میں اسلام کی دعوت-اہمیت اور تقاضے	۵/	۲۹	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۸/
۱۱	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۰/	۳۰	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۱۲	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۲/	۳۱	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۲۰/
۱۳	عورت-اسلامی معاشرے میں	۱۶۰/	۳۲	وقت حساب	۱۰/
۱۴	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۸۰/	۳۳	آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچائیے	۱۰/
۱۵	عورت اور اسلام	۶۰/-۵۰/	۳۴	اسلام کا شورائی نظام	
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۱۵/	۳۵	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۰/
۱۷	اسلام کا عائلی نظام	۸۵/	۳۶	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۲/
۱۸	بچے اور اسلام	۶/	۳۷	سوئے حرم چلا	۱۸/
۱۹	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/	۳۸	دینی علوم کی تدریس	۱۲/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھپور، علی گڑھ-۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵